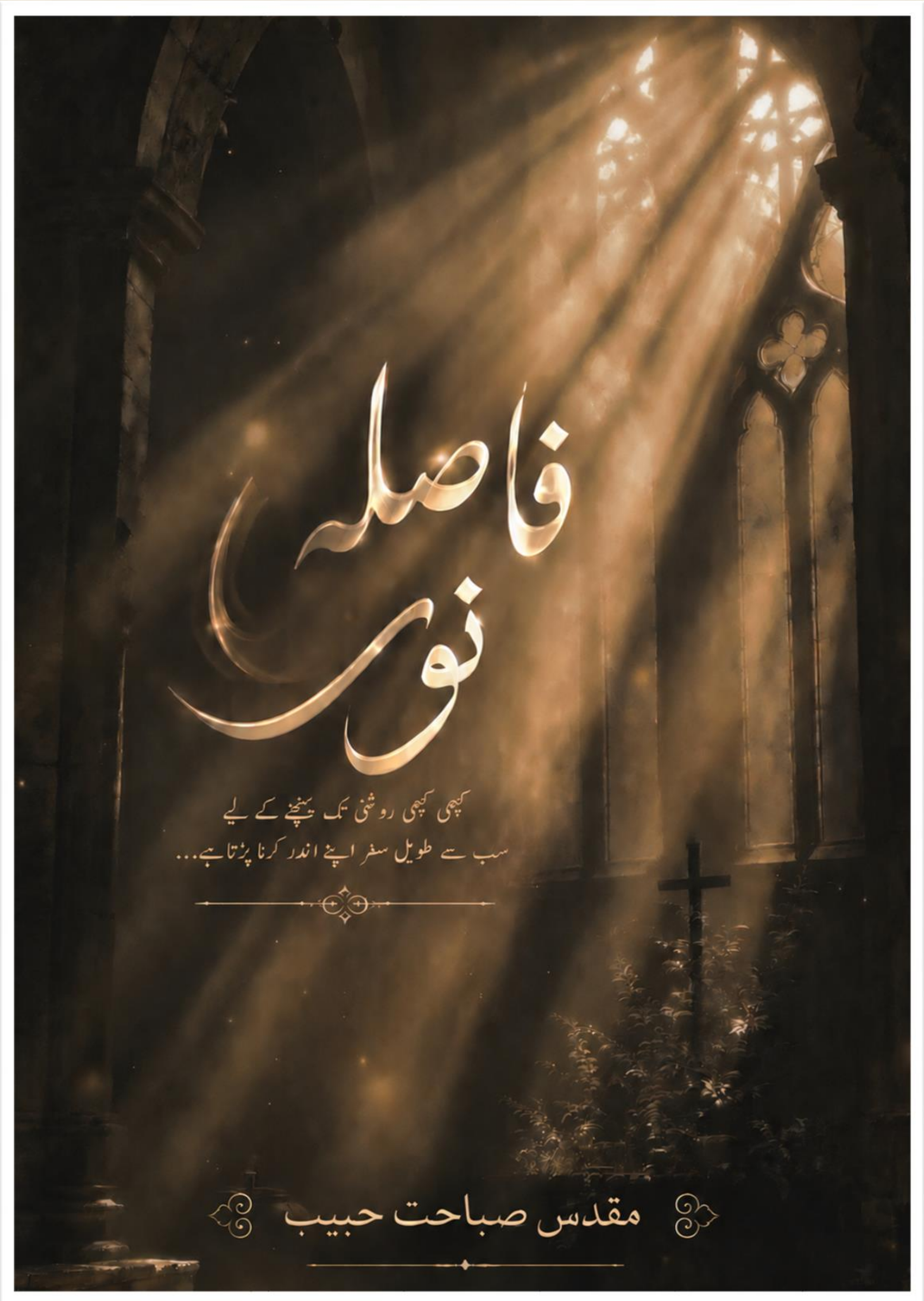

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

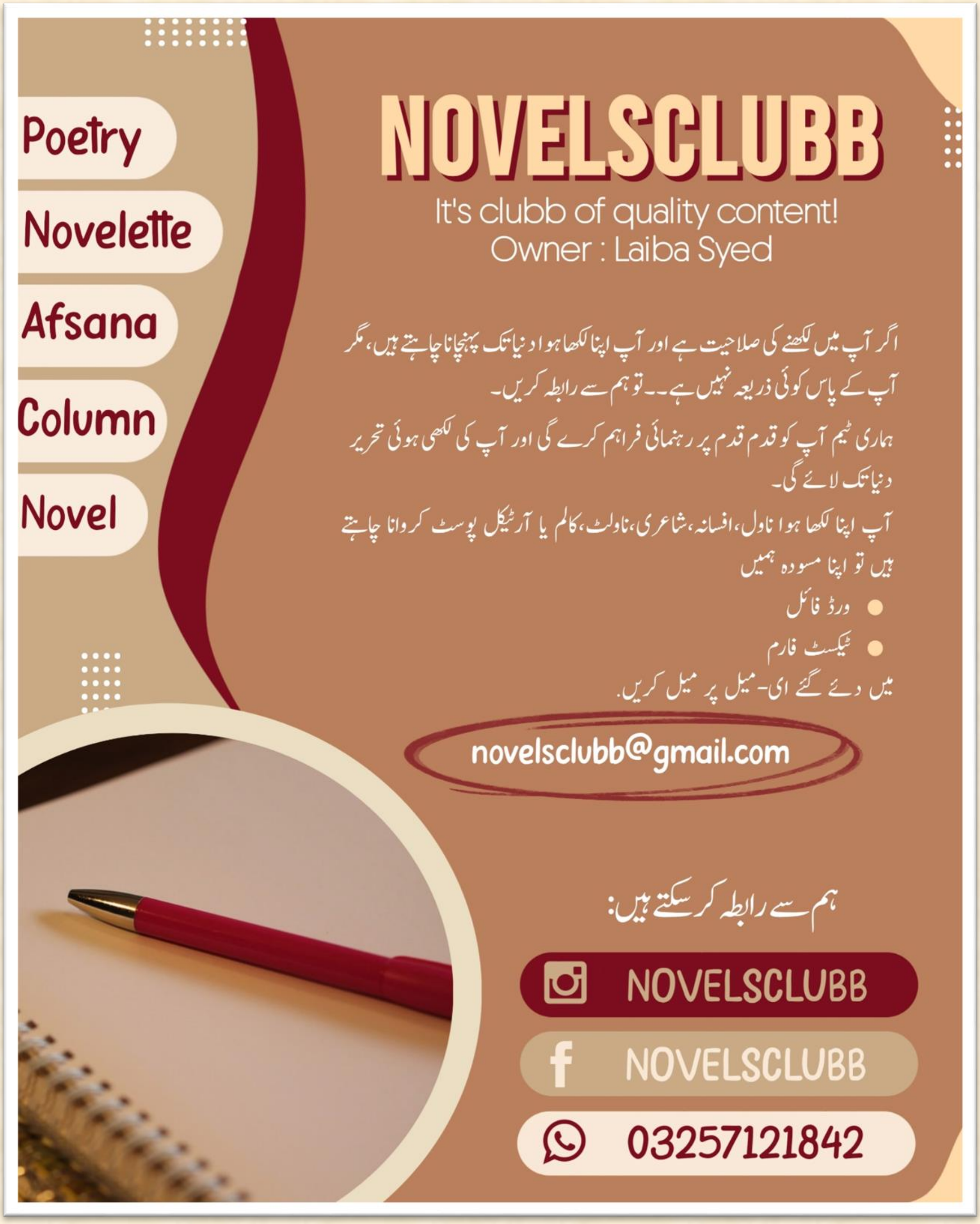
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

فاصلہ نور

از قلم

مقدس صباحت حبیب

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

پیش لفظ

عموماً ہر کہانی کے آغاز میں یہ لکھا جاتا ہے کہ اس کہانی کے کردار اور واقعات فرضی ہیں، لہٰذا انہیں فرضی سمجھ کر ہی پڑھا جائے۔ لیکن "فاصلۂ نور" اس روایت کے متضاد ہے۔ اس کہانی کے کردار، ان کے جذبات، ان کے سوالات اور ان کے سفر حقیقی زندگی سے لیے گئے ہیں۔ البتہ راز داری کے پیشِ نظر ان کے نام تبدیل کر دیے گئے ہیں اور چند واقعات میں معمولی تبدیلی کی گئی ہے۔ یہ کہانی اُس شخص کی ہے جس نے ہدایت کی روشنی تک پہنچنے کے لیے اپنے ہی اندر ایک طویل سفر طے کیا۔ یہ کہانی اُس شخص کی ہے جس نے اپنے یقین تک پہنچنے کے لیے شکوک کی وادیوں سے گزرنا سیکھا۔ یہ کہانی اس شخص کی ہے جس نے زندگی کی اصل حقیقت تک پہنچنے کے لیے خود اپنی ذات سے جنگ لڑی۔ یہ کہانی اُس شخص کی ہے جس نے محبت کو پایا بھی، کھویا بھی، اور پھر اس کے معنی نئے سرے سے سمجھے۔

اور سب سے بڑھ کر۔۔۔ یہ کہانی اُس سفر کی ہے جو زمین پر نہیں، انسان کے دل کے اندر طے ہوتا ہے۔ ایک ایسا سفر۔۔۔

جس کے اختتام پر انسان خود کو ویسا نہیں پاتا جیسا وہ ابتدا میں تھا۔

مقدس مباحث حبیب

جون2026

فاصلۂ نور

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اسلام آباد کی راتیں عجیب ہوتی ہیں۔ دن بھر کے شور و غول کے بعد جب سڑکیں دھیرے دھیرے خاموش ہونے لگتی ہیں، تو شہر کا اصل، سحر انگیز چہرہ سامنے آتا ہے۔ لمبی اور کشادہ سڑکیں، دور دور تک پھیلی زرد روشنیوں کی لامتناہی قطاریں، اور مارگلہ کی اونچی پہاڑیوں سے اترتی ہوئی وہ یخ بستہ ٹھنڈی ہوا جو روح تک کو چھو جاتی ہے۔ رات کے تقریباً ڈیڑھ بج رہے تھے جب بلیو ایریا کی ایک بلند و بالا عمارت کی چھٹی منزل پر واقع دفتر میں چند کمپیوٹر اسکرینیں ابھی تک روشن تھیں۔ انہی چمکتی ہوئی اسکرینوں کے درمیان ایک نوجوان کرسی پر نیم دراز بیٹھا تھا۔ ڈینئیل جوزف فرنینڈس۔ پچیس سالہ ڈینئیل، جس کا لمبا قد، گندمی رنگت اور آنکھوں میں ہمیشہ رہنے والی ایک عجیب سی بے زاری اس کی پہچان تھی۔ اس کے سامنے کمپیوٹر کی اسکرین روشن تھی لیکن اس کی توجہ اس پر بالکل نہیں تھی؛ وہ گم صم سا کھڑکی کے پار پھیلے ہوئے خاموش شہر کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اسے شدت سے احساس ہوتا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے اکتا چکا ہے، حالانکہ بظاہر اس کے پاس وہ سب کچھ تھا جسے لوگ ایک اچھی زندگی کا نام دیتے ہیں۔ اچھی نوکری، بہترین تنخواہ، اپنی گاڑی، دوستوں کا ایک بڑا حلقہ اور ہر ویک اینڈ پر رنگین پارٹیاں۔ لیکن اس سب کے باوجود، رات کے اس پہر اس کے اندر ایک عجیب سا گہرا خلا جاگ اٹھتا تھا، ایک ایسا خلا جسے وہ خود بھی کبھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

اوئے دانشور! ساتھ والی کرسی پر بیٹھے لڑکے نے خالی کافی کا کپ اس کی طرف پھینکتے ہوئے اس کے خیالوں کا تسلسل توڑا، کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ ڈینئیل نے چونک کر گردن موڑی اور دھیمے سے بولا، کہاں۔۔۔ کہیں بھی نہیں! جھوٹ! حمزہ ہنس پڑا۔ جب بھی تم یوں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہو نا، تو قسم سے لگتا ہے دنیا میں کوئی بہت بڑا فلسفی پیدا ہو گیا ہے۔ ڈینئیل بے اختیار مسکرا دیا۔ حمزہ اس کا سب سے پرانا اور مخلص دوست تھا۔ ان کی دوستی اتنی گہری اور پرانی تھی کہ کبھی کبھی دونوں مذہب جیسے حساس موضوع پر گھنٹوں گرما گرم بحث کر لیتے تھے، اور اگلے دن یوں ملتے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ تمہیں پتہ ہے؟ حمزہ نے اپنی کرسی پیچھے دھکیلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا، تمہارا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ڈینئیل نے سوالیہ نظروں سے دیکھا، اور وہ کیا؟ تم ہر چیز کو ضرورت سے زیادہ سوچتے ہو، بہت گہرائی میں جاتے ہو۔ ڈینئیل نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا، کیونکہ شاید حمزہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ واقعی بہت سوچتا تھا، خاص طور پر ان سرد راتوں میں جب وہ بالکل اکیلا ہوتا تھا۔ اکیلے پن سے اسے ایک عجیب، ان دیکھا خوف آتا تھا، اسی لیے تو وہ خود کو ہر وقت مصروف رکھتا تھا۔ کام، پارٹیاں، دوست، شور، موسیقی، لوگ۔۔۔ کچھ بھی ہو، بس خاموشی نہ ہو؛ کیونکہ خاموشی میں انسان اپنے اندر کی آواز سننے لگتا ہے، اور ڈینئیل کسی صورت اپنی وہ اندرونی آواز سننا نہیں چاہتا تھا۔

صبح چار بجے جب اس کی شفٹ ختم ہوئی تو وہ سیدھا گھر نہیں گیا۔اس کی گاڑی اسلام آباد کی سنسان اور ویران سڑکوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ایف سکس،ایف سیون،بلیو ایریا۔۔۔ہر طرف ایک جادوئی سی خاموشی کا راج تھا۔وہ جانتا تھا کہ چند گھنٹوں بعد اتوار کی صبح اسے عبادت کے لیے چرچ بھی جانا ہے،اور وہ جاتا بھی تھا،بہت باقاعدگی سے۔اس کے لیے مذہب کوئی مذاق یا محض ایک رسم نہیں تھا؛اس کا خاندان ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے عقیدے کو پوری سنجیدگی اور احترام سے لیتے ہیں۔اس کے والد جوزف فرنینڈس چرچ کی انتظامیہ سے وابستہ تھے،اس کی والدہ ماریہ فرنینڈس ہر اتوار اسے پیار سے یاد دلاتی تھیں کہ خدا کو کبھی اپنی زندگی سے نکالنا نہیں چاہیے،اور اس کا بڑا بھائی ڈیوڈ تو بچپن سے ہی سب کی نظروں میں ایک مثالی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔صرف ڈینئیل ہی ایسا تھا جس کے اندر بیک وقت دو مختلف زندگیاں چل رہی تھیں۔ایک وہ زندگی جسے اس کے گھر والے جانتے تھے،اور ایک وہ پوشیدہ رخ جسے صرف وہ خود جانتا تھا۔

چرچ جانے والا پروقار ڈینئیل،اور راتوں کو پارٹیوں میں غائب رہنے والا ڈینئیل؛مذہبی مناظرے کرنے والا ڈینئیل،اور نشے کے دھوئیں میں ڈوب جانے والا ڈینئیل۔یہ دونوں الگ

الگ انسان لگتے تھے، لیکن تلخ حقیقت یہ تھی کہ یہ دونوں ایک ہی وجود کا حصہ تھے،اور شاید یہی تضاداس کی زندگی کی سب سے بڑی تھکن بن چکا تھا۔اس نے بستر پر لیٹ کر بے دلی سے موبائل اٹھایااور سوشل میڈیا کھولا؛وہاں درجنوں نوٹیفکیشنزاور پیغامات موجود تھے۔کچھ لڑکیوں کے، کچھ دوستوں کے،اور کچھ مذہبی مباحثوں والے گروپس کے۔اس نے چند لمحے بے زاری سے اسکرین کواسکرول کیااور پھر موبائل کوایک طرف پٹخ دیا۔ڈینئیل جوزف فرنینڈس کی زندگی کو دور سے دیکھنے والا شاید اس سے حسد کرتا، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ انسان بعض اوقات جتنا زیادہ لوگوں کے ہجوم میں ہوتا ہے،اندر سے اتنا ہی زیادہ تنہااوراداس ہو جاتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جمعہ کی رات تھی اور اسلام آباد کے ایک انتہائی پوش سیکٹر میں واقع ایک عالی شان فارم ہاؤس رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا، جہاں تیز میوزک کی تھاپ دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔لان میں جدید لباس پہنے نوجوانوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ کھڑے تھے۔کوئی اونچی آواز میں ہنس رہا تھا، کوئی سیلفیاں لینے میں مگن تھا، تو کوئی سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے بنا کر شاید اپنی زندگی کے خالی پن کو اس شور سے بھرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ڈینئیل نے اپنی گاڑی پارک کی اور جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا، دو تین لڑکوں نے اسے دیکھتے ہی جوش سے شور

مچادیا، "لو جی! آخر کار ڈینی صاحب آ ہی گئے! اب پارٹی کا اصل مزہ شروع ہو گا!" وہ انہیں دیکھ کر روایتی انداز میں مسکرا دیا۔ایسی محفلوں میں وہ ہمیشہ بہت مقبول رہتا تھا،اور اس کی وجہ محض اس کی پر کشش شکل نہیں بلکہ اس کا بے پناہ اعتماد تھا۔وہ لوگوں کی نفسیات کے مطابق بات کرنا جانتا تھا، وہ دلیل سے بحث کرنا جانتا تھا،اور سب سے بڑھ کر۔۔۔وہ دنیا کے سامنے اپنی اصل کیفیت کو چھپانے کے فن میں ماہر تھا۔رات دھیرے دھیرے آگے بڑھتی گئی، موسیقی کا والیم مزید بلند ہوتا گیا اور قہقہے مزید اونچے ہوتے گئے، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ باہر جتنا شور بڑھتا جا رہا تھا، ڈینئیل کے اندر اتنی ہی گہری خاموشی سرصراتی جا رہی تھی۔اس نے اس ہجوم سے دور ایک تاریک کونے میں جا کر سگریٹ جلائی۔باہر سرد اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور آسمان بالکل صاف تھا۔اس نے سر اٹھا کر چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھا اور پھر اچانک اسے اپنی ہی اس حالت پر تیکھی سی ہنسی آ گئی۔"کیا کر رہا ہوں میں؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔اندر سینکڑوں لوگ اس کے منتظر تھے اور وہ یہاں اکیلا کھڑا اندھیرے میں آسمان کو گھور رہا تھا۔

کبھی کبھی اسے خود سے شدید نفرت ہونے لگتی تھی۔اس لیے نہیں کہ وہ زندگی میں غلطیاں کرتا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ پورے ہوش وحواس کے ساتھ جانتا تھا کہ وہ غلطیاں کر رہا ہے،اوراس کے باوجود وہ خود کو روک نہیں پاتا تھا۔ وہ چرچ جاتا تھا، گڑگڑا کر دعا بھی کرتا تھا، مذہبی مباحثوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھااور لوگوں کو اپنے عقیدے کے حق میں لاجواب کر دینے والے دلائل بھی دیتا تھا، لیکن رات کے تنہائی اندھیرے میں وہ خود اپنے ہی دلائل کے سامنے مجرم بن کر کھڑا ہو جاتا تھا، جہاں اس کے پاس اپنے لیے کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔اگلی صبح جب وہ تھکا ہار کر گھر پہنچا تو اس کی والدہ ماریہ فرنینڈس ناشتے کی میز پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔"تم پھر اتنی دیر سے آئے ہو؟"انہوں نے ہمیشہ کی طرح انتہائی نرمی سے پوچھا۔"مما، آفس کا کچھ ضروری کام تھا،اس لیے لیٹ ہو گیا،"ڈینئیل نے چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ سجا کر حسبِ معمول جھوٹ بول دیا۔یہ جھوٹ وہ گزشتہ کئی برسوں سے مسلسل بول رہا تھا،اورافسوس کی بات یہ تھی کہ اب اسے یہ جھوٹ بولتے ہوئے کوئی جھجک یا شرمندگی بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔اتوار کے روز وہ چرچ گیا۔صاف ستھرا استری شدہ سوٹ پہنے، بال نفاست سے بنے ہوئے اور چہرے پر گہری سنجیدگی سجائے۔اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ یہی شخص محض دو رات پہلے ایک بے ہنگم اور شور سے بھری محفل میں صبح تک موجود تھا۔چرچ میں اس

کی ایک خاص عزت اور مقام تھا کیونکہ وہ بائبل کا گہرا مطالعہ رکھتا تھا، مناظرے کرتا تھا اور عقیدے کے بارے میں ہر چھوٹی بڑی معلومات پر دسترس رکھتا تھا۔اسی دن چرچ کے احاطے میں ایک نوجوان نے اس کے قریب آکر دھیمے سے سوال کیا، "ڈینئیل، کیا تمہیں کبھی کوئی شک نہیں ہوا؟"ڈینئیل نے چونک کر پوچھا، "کس بارے میں؟""اپنے عقیدے کے بارے میں۔۔۔؟"ڈینئیل چند لمحے بالکل خاموش رہا، جیسے اس کے اندر کچھ ٹوٹا ہو، پھر ایک مانوس سی مسکراہٹ چہرے پر لا کر بولا، "نہیں۔" مگر حقیقت یہ تھی کہ یہ تسلی بخش جواب اس نے صرف اس نوجوان کو دیا تھا، اپنے تڑپتے ہوئے آپ کو نہیں۔

اسی شام، اسلام آباد کے پڑوس میں واقع راولپنڈی کے ایک نسبتاً قدیم اور روایتی علاقے کے ایک مکان میں۔۔۔مہام زاہد اپنے کمرے کے فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے ارد گرد پرانی، ضخیم کتابوں کا ایک ڈھیر پڑا تھا اور دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی سی لکڑی کی شیلف تھی جس پر تاریخ، آرٹ، فلسفے اور قدیم تہذیبوں سے متعلق نایاب کتابیں قرینے سے رکھی تھیں۔گھر کے اس کونے میں ایک مستقل اور مانوس سی خاموشی کا راج تھا۔وہ خاموشی جس کی مہام برسوں سے عادی ہو چکی تھی۔اس کی پوری زندگی میں کسی نے اس سے کبھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ تنہائی میں کیا سوچتی ہے، کیا محسوس کرتی ہے، یا اسے کس چیز سے ڈر لگتا ہے؛ لٰہذا وقت کے ساتھ ساتھ

اس نے بھی لوگوں کو اپنے دل کے پوشیدہ راستوں تک پہنچنے کی اجازت دینا چھوڑ دیا تھا۔ اسی شام، کھڑکی سے چھنتی ہوئی مدہم روشنی میں انٹرنیٹ اسکرول کرتے ہوئے اس کی نظر ایک سوشل میڈیا پوسٹ پر پڑی۔ وہ ایک طویل اور سنجیدہ مذہبی بحث تھی جس کے نیچے درجنوں کمنٹس اور سینکڑوں بھاری بھرکم دلائل موجود تھے، اور ان تمام فلسفیانہ دلائل کے درمیان ایک نام بار بار اس کی نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا Daniel Joseph Fernandes۔ مہام نے گہرے تجسس کے تحت اس شخص کی پروفائل کھولی اور اس کی چند حالیہ پوسٹس کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھتے ہوئے حیران رہ گئی؛ یہ شخص نہ صرف انتہائی پڑھا لکھا تھا بلکہ اس کا اندازِ بیاں بے حد منظم تھا اور وہ اپنے عقیدے کے حق میں ایسے مضبوط، کاٹ دار دلائل دے رہا تھا جنہیں جھٹلانا آسان نہ تھا۔ لیکن ان سب تحریروں کو گہرائی سے پڑھتے ہوئے، مہام کو محسوس ہوا کہ ان خوبصورت الفاظ کے پیچھے کہیں نہ کہیں ایک عجیب سی تڑپ، ایک پوشیدہ بے چینی اور خلا چھپا ہوا تھا۔ یہ ایک ایسی باریک بے چینی تھی جسے شاید دنیا کے عام لوگ کبھی نہ دیکھ پاتے، مگر مہام اسے صاف دیکھ سکتی تھی؛ کیونکہ وہ خود بھی خاموش اور تنہا لوگوں کی بے زبان زبان سمجھنے کا ہنر جانتی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر موبائل کی اسکرین بند کی، اسے ایک طرف رکھا، اور دوبارہ اپنی پرانی کتاب کے صفحات پلٹنے لگی۔

ک عجیب سی بے چینی چھپی ہوئی تھی۔

ایسی بے چینی جو شاید عام لوگ نہ دیکھ پاتے۔

مگر مہام دیکھ سکتی تھی۔

کیونکہ وہ خود بھی خاموش لوگوں کی زبان سمجھتی تھی۔

اس نے پروفائل بند کر دی اور دوبارہ اپنی کتاب کھول لی۔

راولپنڈی کی صبحیں اسلام آباد کے پرسکون اور جدید ماحول سے بالکل مختلف ہوا کرتی تھیں۔ یہاں کی سڑکیں زیادہ پرانی، بازار زیادہ گنجان اور لوگوں کے چہروں پر زندگی کی تھکن کے آثار کچھ زیادہ ہی گہرے محسوس ہوتے تھے۔ انہی گلیوں کے بیچوں بیچ ایک عام سا مکان تھا جہاں مہام زاہد رہتی تھی۔ اس وقت صبح کے ٹھیک سات بج رہے تھے اور مہام اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس بیٹھی بیرونی منظر کا جائزہ لے رہی تھی۔ سامنے میز پر چائے کا گرما گرم کپ رکھا تھا جس سے اٹھتا ہوا دھواں فضا میں تحلیل ہو رہا تھا، جبکہ اس کے ہاتھوں میں ایک ضخیم کتاب موجود تھی۔ یہ کتاب کسی عام رومانوی ناول یا تعلیمی کورس کی نہیں، بلکہ قدیم اسلامی تعمیرات کے

اسرار ور موز کے بارے میں تھی۔ وہ کئی منٹوں سے کتاب کے اسی صفحے پر رکی ہوئی تھی جہاں اندلس کی تاریخی مسجدوں کے محرابوں کی دلکش تصاویر بنی تھیں۔

مہام کو عمارتوں سے ایک جنونی حد تک لگاؤ تھا مگر وہ صرف خوبصورت عمارتیں نہیں دیکھتی تھی، بلکہ ان کے پیچھے چھپی کہانیاں، تاریخ، تہذیب اور عقائد اسے اپنے سحر میں جکڑ لیتے تھے۔ کسی بھی تاریخی ڈھانچے کو دیکھ کر وہ سوچنے لگتی کہ اسے بنانے والا انسان کس سوچ کا مالک رہا ہو گا؟ اس دور کے لوگ کیسے جیتے ہوں گے، ان کے خوف کیا ہوں گے اور ان کے خواب کیسے ہوں گے ؟ اسی غیر معمولی دلچسپی کے باعث وہ آرکیٹیکچر کا حصہ نہ ہونے اور محض کالج کے آخری سال میں ہونے کے باوجود اس فن میں ڈوبی رہتی تھی۔ جہاں اس کی ہم عمر کلاس فیلوز گھنٹوں فیشن، ڈراموں اور رشتوں کی باتیں کرتی تھیں، وہیں مہام گھنٹوں پرانی کتابوں کے بازاروں میں خاک چھان سکتی تھی یا مختلف مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کر سکتی تھی۔ کالج میں بھی وہ سب سے الگ تھلگ اپنی ہی ایک دنیا میں مگن رہتی، جہاں کلاس ختم ہوتے ہی دیگر لڑکیاں کیفیٹیریا کا رخ کرتیں اور مہام لائبریری کے کسی خاموش کونے میں بیٹھ کر اسلامی تاریخ، قدیم مصری تہذیب، عیسائیت یا بدھ مت کے فلسفے کے اوراق پلٹتی۔ اسے مذہبوں کو سمجھنے کا شوق تھا،

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مگر مناظرانہ انداز میں نہیں، بلکہ وہ تو بس یہ جاننا چاہتی تھی کہ انسان کو آخر یقین کی دولت کہاں سے ملتی ہے؟

دوسری طرف، اسلام آباد کی ایک بالکل مختلف اور چمکتی دمکتی دنیا میں ڈینئیل جوزف فرنینڈس نامی نوجوان زندگی گزار رہا تھا۔ اتوار کی ایک شام، چرچ کے ہال میں نوجوانوں کے لیے ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی تھی جہاں ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سامنے اسٹیج پر لکڑی کے پوڈیم کے پیچھے سیاہ کوٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس، اعتماد سے بھرپور ڈینئیل کھڑا تھا، جس کی سحر انگیز گفتگو پر پورا ہال ہمہ تن گوش تھا۔ "لوگ اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر خدا موجود ہے تو دنیا میں اتنا دکھ کیوں ہے؟" ڈینئیل کی رعب دار آواز ہال میں گونجی تو چند لوگوں نے تائید میں سر ہلائے۔ اس نے ایک گہرا توقف کیا اور مسکرا کر بولا، "لیکن میرا سوال اس سے مختلف ہے۔۔۔ اگر دکھ نہ ہوتا تو کیا انسان کبھی خدا کو تلاش کرتا؟" اس منطق پر پورا ہال گہری خاموشی میں ڈوب گیا۔ ڈینئیل الفاظ کو ترتیب دینا اور سامعین کے دلوں کو موہ لینا اچھی طرح جانتا تھا، یہی وجہ تھی کہ تقریب کے اختتام پر وہ ہمیشہ کی طرح نوجوانوں کے سوالات اور تعریفوں کے حصار میں آ کر مرکزِ نگاہ بن گیا۔

تاہم، اسی رات جب وہ اکیلا گاڑی چلاتے ہوئے سنسان سڑک پر گامزن تھا، تو اسے اچانک ایک عجیب سے خالی پن کا احساس ہوا۔ اس نے آج دوسروں کو یقین کے بارے میں تو بڑے پتے کی باتیں بتائی تھیں، لیکن خود اس کے اپنے دل میں کتنا یقین تھا؟ یہ سوال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لہرایا، مگر اس نے ہمیشہ کی طرح اس بے چینی کو فوراً نظرانداز کر دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی۔

چند روز بعد، انٹرنیٹ کے ایک مذہبی فورم پر ایک گرما گرم آن لائن بحث چھڑی ہوئی تھی جس کا موضوع تھا، "کیا مذہب انسان کو آزاد کرتا ہے یا محدود؟" سینکڑوں لوگ اپنے اپنے دلائل کے ساتھ تبصرے کر رہے تھے اور ڈینئیل بھی وہاں اپنے مخصوص منطقی انداز میں لوگوں کو متاثر کرنے میں مصروف تھا۔ انہی مباحثوں کے بیچ ایک مختصر، بے باک اور بغیر کسی جذباتی پن کے لکھا گیا ایک تبصرہ نمودار ہوا، " کبھی کبھی مسئلہ مذہب نہیں ہوتا، مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ہم مذہب کو سمجھے بغیر اس کے بارے میں رائے بنا لیتے ہیں۔" ڈینئیل کی نظریں اس جملے پر جم کر رہ گئیں۔ اکاؤنٹ کا نام مہام زاہد تھا۔ وہی نام اور وہی پروفائل جو ہمیشہ کتابوں اور قدیم عمارتوں کی تصویروں سے سجا رہتا تھا۔ ڈینئیل نے پہلی بار تجسس کے تحت اس کا پروفائل کھولا، جہاں

کوئی ذاتی تصاویر یا فضول پوسٹس نہیں تھیں، بلکہ صرف کتابیں، تاریخ، آرٹ اور مذہب سے متعلق گہرے اقتباسات درج تھے۔ ڈینئیل نے الجھن سے اپنی بھنویں سکیڑیں اور زیرِ لب بڑبڑایا، "عجیب لڑکی ہے۔۔۔" مگر لاشعوری طور پر اس نے وہ نام اپنے ذہن کے کسی کونے میں محفوظ کر لیا۔

اسی رات مہام اپنے کمرے کی مدہم روشنی میں ادیانِ عالم کا تقابلی مطالعہ نامی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ وہ اس حقیقت سے بالکل بے خبر تھی کہ انٹرنیٹ کی اس وسیع دنیا میں جس شخص کے تبصروں کو وہ محض ایک عام صارف سمجھ کر پڑھ رہی ہے، وہی شخص آنے والے چند سالوں میں اس کی زندگی کا سب سے بڑا اور کٹھن امتحان بننے والا ہے۔

دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بچپن سے ہی طے شدہ جوابوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، جنہیں زندگی کی حقیقتوں کو پرکھنے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ لیکن دوسری طرف کچھ روحیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی پوری زندگی صرف سوالوں کے تعاقب میں گزر جاتی ہے۔

مہام زاہد کا شمار اسی دوسرے قبیلے کے لوگوں میں ہوتا تھا، جو سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے خود سچائی کی تہہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کالج سے واپسی پر اس دن وہ حسبِ معمول سیدھی گھر نہیں گئی، بلکہ اس کے قدیم راولپنڈی کے مشہور زمانہ راجہ بازار کی ایک پرانی اور تنگ گلی میں واقع اس کتابوں کی دکان کی طرف اٹھ گئے جو اس کی پسندیدہ ترین پناہ گاہوں میں سے ایک تھی۔ اس دکان کی دیواریں اوپر تک کتابوں سے پٹی پڑی تھیں، جہاں کچھ بالکل نئی چمکتی ہوئی کتابیں تھیں تو کچھ اتنی پرانی کہ ان کے صفحات زرد پڑ کر بوسیدگی کا احساس دلا رہے تھے۔ مہام کو پرانی چیزوں سے ایک عجیب، غیر مرئی سا لگاؤ تھا۔ چاہے وہ پرانی عمارتیں ہوں، زرد صفحات پر لکھی پرانی کتابیں، گزشتہ زمانوں کے خطوط ہوں یا دھندلی تصویریں اسے ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ ان پرانی چیزوں کے اندر گزرے ہوئے انسانوں کی سانسیں اور ان کی ادھوری زندگیاں کہیں نہ کہیں اب بھی دھڑک رہی ہیں۔

"بیٹا! آج کیا ڈھونڈ رہی ہو؟" بوڑھے دکاندار نے عینک کے شیشوں کے اوپر سے اسے دیکھا اور مانوسیت سے مسکرا کر پوچھا۔ مہام نے دکان میں بکھرے سرمئی سکوت کو توڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا، "انکل، ادیان کی تاریخ پر کوئی اچھی اور مستند کتاب ہے آپ کے پاس؟" بوڑھے شخص نے گہرے تعجب سے اس نو عمر لڑکی کو دیکھا اور بولا، "تمہاری عمر کی لڑکیاں تو یہاں آکر رومانوی ناولز مانگتی ہیں۔" مہام کے لبوں پر ایک ہلکی، پُراسرار سی مسکراہٹ نمودار ہوئی، "مجھے جوابوں سے زیادہ سوال پسند ہیں انکل۔" اس کے اس فلسفیانہ جواب پر بوڑھا دکاندار دھیمے سے

ہنس پڑا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی تلاش کے بعد مہام ایک ضخیم انگریزی کتاب خرید کر دکان سے باہر نکل آئی جس کا عنوان تھا۔Religions of the World، اسے مختلف مذاہب کے پس منظر اور ان کے ارتقا کے بارے میں پڑھنا اچھا لگتا تھا، مگر اس کے مطالعے کا مقصد کبھی کسی پر تنقید کرنا یا نقص نکالنا نہیں تھا بلکہ وہ تو صرف انسانی رویوں اور عقیدے کے فلسفے کو سمجھنا چاہتی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس کے اندر کے سوال کبھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسی شام اسلام آباد کے ایک پر سکون مکان میں، ڈینئیل اپنے کمرے میں مستعد بیٹھا تھا اور اس کے سامنے کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ایک آن لائن انٹرنیشنل مذہبی فورم کھلا ہوا تھا، جہاں "نجات کا حقیقی راستہ کیا ہے؟" کے موضوع پر ایک گرما گرم بحث جاری تھی۔ ہمیشہ کی طرح ڈینئیل اس ورچوئل مباحثے کے مرکز میں تھا، جس کی تحریر میں بلا کا کاٹ تھا، دلائل منظم تھے اور بائبل کے حوالوں پر اس کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ مخالفین کے پاس لاجواب ہونے کے سوا چارہ نہ رہتا۔ اسی اثنا میں کسی نے اس کی ایک طویل پوسٹ کے نیچے ایک چبھتا ہوا تبصرہ لکھا، "کیا تم نے کبھی قرآن کو بطور ایک کتابِ اول تا آخر پڑھا ہے؟" ڈینئیل نے بغیر وقت

ضائع کیے فوراً ٹائپ کیا، "نہیں، لیکن مجھے اس کے بنیادی عقائد اور تعلیمات کا اچھی طرح علم ہے۔"سامنے سے اسکرین پر ایک مختصر مگر وزنی جواب نمودار ہوا، "کسی بھی کتاب پر کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے، کم از کم ایک بار اسے خود پڑھ لینا چاہیے"۔

ڈینئیل کی انگلیاں کی بورڈ پر جم گئیں اور وہ چند لمحے گہری خاموشی کے ساتھ اس اسکرین کو تکتا رہا۔ تجسس کے تحت جب اس نے اس اکاؤنٹ کا پروفائل کھولا تو وہاں وہی نام چمک رہا تھا، مہام زاہد۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا، پچھلے چند مہینوں کے دوران اس نے اس نام کو انٹرنیٹ کے مختلف علمی اور تاریخی فورمز پر بارہا دیکھا تھا۔ کبھی وہ آرٹ پر بات کر رہی ہوتی، کبھی تاریخ پر اور کبھی مختلف مذاہب کے تقابل پر۔ اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ لڑکی کبھی روایتی انٹرنیٹ صارفین کی طرح جذباتی انداز اختیار نہیں کرتی تھی؛ اس کی گفتگو میں نہ کوئی طنز ہوتا، نہ لڑائی جھگڑا اور نہ ہی چیخنا چلانا۔ اس کی تحریروں میں صرف سوال ہوتے تھے اور سوال اکثر انسان کو بے بنائے جوابوں سے زیادہ بے چین کر دیتے ہیں۔

ڈینئیل نے پہلی بار مہام کے پروفائل کا گہرائی سے جائزہ لیا جہاں پرانی عمارتوں کی بلیک اینڈ وائٹ تصویریں، کتابوں کے اقتباسات، مساجد کے خوبصورت محراب، قدیم تاریخی گرجا گھر اور

اندلس کی مسلم تعمیرات کے سحر انگیز مناظر بکھرے پڑے تھے۔ڈینئیل نے الجھن سے اپنی بھنویں سکیڑیں اور اس کے ذہن میں ایک صامت سوال ابھرا، "یہ لڑکی آخر ہے کون"؟

دوسری طرف، راولپنڈی کے اس روایتی گھر میں مہام کو دور دور تک اندازہ نہیں تھا کہ اس کا نام اب اسلام آباد کے کسی عالی شان کمرے میں بیٹھے شخص کے ذہن میں مستقل جگہ بنا رہا ہے۔وہ بیرونی دنیا سے بے خبر اپنے کمرے کی مدہم روشنی میں بیٹھ کر نئی خریدی ہوئی کتاب کے اوراق پلٹنے میں مگن تھی۔گھر میں حسبِ معمول ایک سنگین قسم کا سکوت طاری تھا؛اس کے والد فاروق زاہد لاؤنج میں بیٹھے بے نیازی سے ٹی وی دیکھ رہے تھے، والدہ کچن کے کاموں میں مصروف تھیں اور مہام اپنے کمرے کی تنہائی میں قید تھی۔اس گھر کی یہی ریت تھی، جہاں لوگ ایک ہی چھت تلے ساتھ تو رہتے تھے، مگر ایک دوسرے کی اندرونی زندگیوں اور جذباتی ضرورتوں سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔

اسی رات، ڈینئیل کو چرچ میں اگلے اتوار ہونے والے ایک بڑے سیمینار کے لیے اپنی تقریر کے نوٹس تیار کرنے تھے۔اس نے ڈائری کھولی اور صفحے کے اوپر جلی حروف میں موضوع لکھا، "سچائی کی تلاش"۔ لیکن قلم وہیں رک گیا۔اس نے چند لمحے اس عنوان کو دیکھا اور پھر اس کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ رینگ گئی۔"سچائی کی تلاش"۔۔۔اس نے آہستہ سے ان الفاظ کو

دہرایا۔اسے شدت سے احساس ہوا کہ دوسروں کے سامنے پوڈیم پر کھڑے ہو کر راستہ دکھانا کتنا آسان کام ہوتا ہے، اور خود اپنے اندر کی تاریکی میں سچا راستہ تلاش کرنا۔۔۔ کتنا کٹھن۔

دو ہفتے کی ایک سحر انگیز رات تھی۔اسلام آباد کی روشن اور کشادہ سڑکوں پر گاڑیاں تند و تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھیں، جبکہ شہر کے ایک انتہائی پوش علاقے میں واقع فارم ہاؤس جدید موسیقی کے فلک شگاف شور سے گونج رہا تھا۔رنگ برنگی بتیاں اور ڈسکو لائٹس ہال میں مسلسل چمک دمک رہی تھیں اور تیز میوزک کی بھاری دھڑکنیں زمین کے ساتھ ساتھ وہاں موجود لوگوں کے دلوں میں محسوس ہو رہی تھیں۔ہر طرف قہقہے لگاتے لوگ، اونچی آوازوں میں لایعنی گفتگو کرتے ہوئے نوجوان اور ہاتھوں میں رنگ برنگے مشروبات کے گلاس تھامے وہ مجمع تھا، جس کا مقصد صرف اور صرف ایک ہی تھا۔چند گھنٹوں کے لیے تلخ حقائق کو بھول کر سرور کی دنیا میں کھو جانا۔ڈینئیل جوزف بھی اسی شور شرابے کا حصہ بنا وہاں موجود تھا۔کالی شرٹ اور جینز میں ملبوس، بظاہر بے حد پُر اعتماد، بظاہر خوش اور بظاہر بالکل مطمئن۔۔۔ مگر یہ سب کچھ صرف ظاہر ہی تھا۔اس کے اندر کا انسان اس چمک دمک سے کوسوں دور تھا۔

"یار ڈینئیل!" زرین نے اچانک اونچا قہقہہ لگاتے ہوئے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا اور سگریٹ کا دھواں ہوا میں اچھالتے ہوئے بولا، "آج کے اس ماحول میں بھی تم اتنے سنجیدہ کیوں

کھڑے ہو؟"ڈینئیل نے اپنی سوچوں کے دھاگے کو سمیٹتے ہوئے دھیمے سے کہا،"میں سنجیدہ نہیں ہوں یار، بس ایسے ہی۔"اس کی بات سن کر فرح فوراً بیچ میں بولی،"سیدھا جھوٹ! تم ہمیشہ ایسے ہی خاموش ہوتے ہو جیسے دنیا کا کوئی عظیم فلسفی غلطی سے کسی عام سی پارٹی میں آن نکلا ہو۔"فرح کے اس جملے پر وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔کچھ دیر بعد وہ سب فارم ہاؤس کے بیرونی وسیع باغیچے والے حصے میں آ بیٹھے جہاں نوجوانوں کے مختلف گروپس ٹولیوں کی شکل میں بکھرے ہوئے تھے۔کوئی سگریٹ کے مرغولے اڑا رہا تھا، کوئی دیگر نشہ آور اشیاء کے سحر میں گم تھا تو کوئی بس یوں ہی اودھم مچا رہا تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے زرین اپنے کچھ دوسرے دوستوں کے ساتھ مصروف ہو گیا اور فرح بھی کسی اور گروپ کی طرف چلی گئی، جس کے بعد ڈینئیل ایک بار پھر اکیلا رہ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے اپنی گردن پیچھے کو گرائی اور گہرے سیاہ آسمان کی طرف دیکھا جہاں دور کہیں چند مدھم سے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔یہ ایک عجیب و غریب تضاد تھا؛اس کے چاروں طرف زندگی کا ہنگامہ اور کان پھاڑتا شور تھا، لیکن خود اس کے اپنے اندر ایک گہرا سکوت،ایک پُراسرار خاموشی طاری تھی۔یہ خاموشی کوئی تسکین یا سکون بخشنے والی نہیں تھی، بلکہ یہ تو روح کو ڈسنے والے ایک ہولناک خالی پن کی عکاس تھی۔وہ اکثر خود کو بہلانے اور سمجھانے کی کوشش کرتا تھا کہ شاید

زندگی کا اصل حسن یہی تو ہے۔ بہترین اور اعلیٰ تعلیم، مخلص اور امیر دوست، ایک معزز خاندان، چرچ میں حاصل ہونے والی عزت اور لوگوں کی بے پناہ تعریفیں۔۔۔اور کیا چاہیے انسان کو؟ مگر ان سب کے باوجود، ہر رات بستر پر لیٹتے ہی اور آنکھیں موندنے سے پہلے اسے شدت سے محسوس ہوتا جیسے اس کی وجود کی عمارت میں کوئی بہت بڑی کمی ہے۔ ایک ایسی اہم اور بنیادی کمی، جس کی حقیقت سے وہ خود بھی ناواقف تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو ڈینئیل؟" فرح جو کب کی جا چکی تھی، اب دوبارہ واپس آکر اس کے برابر والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ڈینئیل نے چونک کر اسے دیکھا اور روایتی مردانہ انداز میں بات ٹالتے ہوئے کہا، "کچھ بھی تو نہیں۔" فرح نے اس کے چہرے کے تاثرات کو پڑھتے ہوئے ایک معنی خیز نظر ڈالی، "تم مرد جب بھی کہتے ہو نا کہ کچھ نہیں، تب اصل میں تمہارے دماغ میں بہت کچھ چل رہا ہوتا ہے۔" ڈینئیل اس کی اس باریک بینی پر صرف ہلکا سا مسکرا کر رہ گیا۔ "تم جانتے ہو ڈینئیل؟" فرح نے اپنے گلاس کو گھماتے ہوئے دھیمے اور سنجیدہ لہجے میں کہا، "کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ ہم سب لوگ صرف خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھ رہے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ زبردستی جڑے ہوئے ہیں۔" ڈینئیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا، "لیکن کس چیز سے بھاگنے کے لیے؟" فرح نے گہرا سانس لیا، "مجھے نہیں معلوم۔۔۔" اس

جواب کے بعد چند لمحوں کے لیے ان کے درمیان ایک گہری خاموشی رہی، اور پھر وہ دونوں دوبارہ اس پارٹی کے بے رحم شور میں کہیں کھو گئے۔ لیکن ڈینئیل کے حساس ذہن میں فرح کی وہ بات ایک ہتھوڑے کی طرح بجتی رہی کہ "ہم سب صرف خود کو مصروف رکھ رہے ہیں۔"

اگلی صبح اتوار کا دن تھا اور چرچ میں غیر معمولی اور پُر وقار رونق لگی ہوئی تھی۔ آج کے اس خصوصی نوجوانوں کے پروگرام میں سب کی نظریں ڈینئیل پر تھیں کیونکہ آج کا کلیدی خطاب اسے ہی کرنا تھا۔ وہ اسٹیج کے پیچھے کھڑا ہمیشہ کی طرح انتہائی پُر اعتماد اور بارعب دکھائی دے رہا تھا، مگر گزشتہ رات کا وہ زہر آلود خالی پن اب بھی اس کے دل کے کسی نہ کسی گوشے میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ چند ہی منٹوں بعد جب اس کا نام پکارا گیا تو وہ باوقار قدموں کے ساتھ اسٹیج پر جا کھڑا ہوا۔ سامنے ہال میں درجنوں معزز لوگ تشریف فرما تھے، جن میں اس کے محترم والد، شفیق والدہ، اس کا چھوٹا بھائی جوزف اور چرچ کے جید بزرگ بھی اگلی نشستوں پر موجود تھے۔ ڈینئیل نے پوڈیم پر پہنچ کر مائیک سنبھالا، حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور اپنی سحر انگیز آواز میں بولنا شروع کیا۔

آج میں آپ کے سامنے ایک ایسے موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں جو انسانی روح کا خاصہ ہے یعنی سچائی کی تلاش۔ ڈینئیل کے ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی پورے چرچ میں ایک دم گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ ہر انسان اپنی مختصر سی زندگی میں کسی نہ کسی مادی یا روحانی حقیقت کی تلاش میں سر گرداں رہتا ہے۔ کچھ لوگ کامیابی کے پیچھے بھاگتے ہیں، کچھ محبت کے اسیر ہوتے ہیں اور کچھ دولت کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ لیکن ان تمام فانی چیزوں سے ہٹ کر، انسان کا لاشعور ہمیشہ اپنے خالق، اپنے خدا کو تلاش کرتا ہے۔ ڈینئیل کی آواز میں بلا کا ٹھہراؤ اور ناصحانہ مضبوطی تھی۔ سالوں کی مسلسل مشق، گہرے مطالعے اور بے شمار آن لائن اور آف لائن مباحثوں نے اسے ایک بے مثل مقرر بنا دیا تھا جو مجمع کو اپنے لفظوں کے سحر میں جکڑنا جانتا تھا۔

ہم مسیحی یہ پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ خدا اپنی ذات میں ایک ہے، لیکن وہ اپنے آپ کو تین اقانیم میں ظاہر فرماتا ہے باپ، بیٹا اور روح القدس۔ یہ تین الگ الگ خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی واحد خدا کی تین مختلف الٰہی اقانیم ہیں۔ اس نے ایک لمحے کے لیے رک کر حاضرین کی طرف دیکھا، جہاں بوڑھے اور جوان سبھی پوری توجہ اور احترام سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ اکثر لوگوں کو عقل کے ترازو پر تثلیث کے اس پاکیزہ تصور کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے، لیکن ہمارا ایمان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا کی ذات انسانی عقل اور منطق کے محدود دائروں

سے کہیں بلند و برتر ہے۔ ہم اسے اپنی ناقص عقل سے مکمل طور پر تو نہیں سمجھ سکتے، مگر ہم اس کی حقانیت پر دل سے ایمان رکھتے ہیں۔اس نے بائبل کا ایک مقدس حوالہ پڑھ کر سنایا اور پھر اپنے مخصوص روانی کے ساتھ آگے بڑھا۔

ہم یہ بھی کامل ایمان رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح صرف ایک عام نبی یا مصلح نہیں تھے، بلکہ وہ خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں جو اس کائنات اور انسانیت کی نجات کے لیے اس فانی دنیا میں تشریف لائے۔انہوں نے بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے صلیب پر اپنی جان کی مقدس قربانی دی، اور آج صرف ان کی ذاتِ گرامی پر ایمان لانے کے ذریعے ہی انسان اپنے ازلی گناہوں سے نجات پا سکتا ہے۔ نجات کسی انسان کو اس کے اپنے اعمال کے بل بوتے پر نہیں ملتی، بلکہ یہ تو صرف اور صرف خدا کے خاص فضل سے حاصل ہوتی ہے اور یہ فضل ہمیں مسیح کے طفیل بخشا گیا ہے۔ یہ پر تاثیر تقریر تقریباً چالیس منٹ تک جاری رہی، جس کے دوران ڈینئیل نے بائبل کے محکم حوالے دیے، مختلف عقلی اعتراضات کے دندان شکن جوابات پیش کیے اور کئی پیچیدہ مذہبی اور فلسفیانہ تصورات کو انتہائی آسان اور عام فہم انداز میں سامعین کے ذہنوں میں اتارا۔

تقریر کے اختتام پذیر ہوتے ہی پورا ہال تالیوں کی پر جوش گونج سے لرز اٹھا۔ چرچ کے معزز بزرگ اور پادری صاحبان خود آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرنے اور اسے دعائیں دینے اسٹیج پر آئے، جبکہ بے شمار نوجوان دور کھڑے رشکیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جوزف کی آنکھوں میں اپنے بڑے بھائی کے لیے فخر کی ایک انوکھی چمک تھی، اس نے آگے بڑھ کر ڈینئیل کا ہاتھ تھاما اور والہانہ انداز میں کہا، بھائی! آج تو تم نے سچ مچ کمال کر دیا، دل جیت لیے سب کے۔ ڈینئیل نے اپنے بھائی کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے رسمی طور پر کہا Thank you، اور ایک دھیمی سی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائی، مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے وہ حقیقی خوشی اور قلبی اطمینان کہیں بھی موجود نہیں تھا جس کا وہ مستحق تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اسی رات، وہ اپنے کمرے کی تنہائی میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ چرچ میں ملنے والی بے پناہ تعریفیں، دوستوں کے ستائشی پیغامات اور سوشل میڈیا پر اس کی تقریر کی وائرل ہوتی ویڈیو پر آنے والے کمنٹس سب کچھ اس کے سامنے موجود تھا، لیکن روح کا وہ تشنہ لب قید خانہ اب بھی خالی تھا۔ اس نے صوفے سے اٹھ کر بوجھل قدموں کے ساتھ آئینے کے سامنے جا کر خود کو دیکھا۔ آئینے میں نظر آنے والے پُر اعتماد ڈینئیل کی آنکھوں میں جھانکتے ہی اچانک ایک ایسا خوفناک اور چوبھتا ہوا

سوال اس کے ذہن میں گونجا، جسے اس نے پچھلے کئی سالوں سے اپنے اندر دفن کرنے کی کوشش کی تھی۔

اگر میرے پاس دنیا کی سب سے بڑی سچائی موجود ہے اگر میرا راستہ ہی حق ہے تو پھر میرے اپنے اندر یہ وحشت ناک خالی پن کیوں ہے؟

یہ سوال ذہن میں آتے ہی وہ بری طرح ہڑبڑا کر آئینے کے سامنے سے پیچھے ہٹ گیا۔اس نے اپنے چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اور خود کو سختی سے ملامت کرتے ہوئے سمجھایا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے، یہ صرف مسلسل کام کی تھکن اور ایک عارضی سا وہم ہے جو جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ مگر وہ لاشعوری طور پر جانتا تھا کہ یہ وہم نہیں، بلکہ اس کی روح کے اندر اٹھنے والے اس طوفان کا پیش خیمہ تھا جو اس کی بنی بنائی دنیا کو تہس نہس کرنے والا تھا۔

ڈینئیل جوزف فرنینڈس کی زندگی باہر سے جتنی پرسکون اور منظم دکھائی دیتی تھی، اندر سے وہ اتنی ہی پیچیدہ تھی۔ وہ ایک ایسے راسخ العقیدہ کٹر منڈو مسیحی گھرانے میں پیدا ہوا تھا جہاں صبح کا آغاز بائبل کی تلاوت سے اور رات کا اختتام شکرانے کی دعا پر ہوتا تھا۔اس کے والد، جوزف فرنینڈس، اسلام آباد کی مسیحی برادری کے ایک معزز اور سرکردہ رہنما تھے، جن کا قول چرچ اور برادری میں سند مانا جاتا تھا۔ایسے ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے عیسائیت ڈینئیل کے لیے

محض ایک موروثی مذہب نہیں تھی، بلکہ یہ اس کی شناخت، اس کی سانسوں اور اس کے طرزِ زندگی کا لازمی حصہ بن چکی تھی۔ وہ دل و جان سے یہ یقین رکھتا تھا کہ کائنات کا واحد سچ صرف مسیح کی ذات ہے، اور اسی ایمان کے حصار میں اس نے اپنی زندگی کے بائیس سال انتہائی پاکیزگی اور اصول پسندی کے ساتھ گزارے تھے۔

اس کی روزمرہ زندگی چرچ کی سرگرمیوں، بائبل اسٹڈی گروپس اور نوجوانوں کی فلاحی تنظیموں کے گرد گھومتی تھی۔ اتوار کا دن اس کے لیے ہفتے کا سب سے مقدس اور مصروف ترین دن ہوتا تھا، جہاں وہ صرف ایک عام عبادت گزار کی طرح نہیں بیٹھتا تھا، بلکہ پادری صاحب کے شانہ بشانہ خدمات سرانجام دیتا تھا۔ ڈینئیل کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (یسوع مسیح) نے صلیب پر اپنا خون بہا کر پوری انسانیت کے گناہوں کا ازالہ کر دیا ہے، اور اب نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے زعم سے نکل کر خود کو مسیح کے فضل اور محبت کے حوالے کر دے۔ وہ جب بھی بائبل کا مطالعہ کرتا، تو اس کے دل پر ایک عجیب رقت طاری ہو جاتی۔ اسے لگتا کہ وہ خدا کے کلام کو اپنے اندر جذب کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسیحی الہیات (Theology) کے پیچیدہ ترین مباحث، جیسے کہ گناہِ ازلی (Original Sin) اور کفارہ پر (Atonement) گھنٹوں غیر ملکی اسکالرز کی کتابیں پڑھتا اور ان کے نوٹس بناتا تھا۔

مسیحی برادری میں ڈینئیل کو ایک رول ماڈل اور مستقبل کا پادری سمجھا جاتا تھا۔اس کی اخلاقی زندگی بے داغ تھی۔ جہاں اسلام آباد کے جدید فارم ہاؤسز کی نائٹ پارٹیز میں اس کے دوست زمین اور فرح شراب اور دیگر لایعنی سرگرمیوں میں وقت برباد کرتے، وہاں ڈینئیل ہمیشہ خود کو ایک خاص حد میں رکھتا تھا۔ وہ ان پارٹیز میں صرف اپنے دوستوں کی دلجوئی کے لیے جاتا تھا، مگر وہاں کی رنگینیوں میں کبھی ڈوبتا نہیں تھا۔اس کا ایمان اسے سکھاتا تھا کہ اس کا جسم روح القدس کا ہیکل (مقدس گھر) ہے،اس لیے وہ اسے گناہ کی آلودگی سے پاک رکھتا تھا۔چرچ کے بوڑھے بزرگ اکثر اس کے والد کو مبارکباد دیتے کہ انہوں نے ڈینئیل جیسا ہونہار اور دیندار بیٹا پایا ہے جو مغربی تعلیم کے باوجود اپنے بائبل کے اصولوں پر سختی سے کاربند تھا۔

لیکن اس مثالی اور خوبصورت زندگی کے پیچھے، پچھلے کچھ عرصے سے ایک عجیب سا تضاد جنم لے رہا تھا۔ڈینئیل کا مسئلہ یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے مذہب پر شک کرتا تھا، بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ ذہین اور منطقی تھا۔جب وہ آن لائن فورمز پر دوسرے مذاہب کے لوگوں، خصوصاً مسلمانوں یا ملحدین سے بحث کرتا، تو وہ اپنے دلائل کو مضبوط بنانے کے لیے بائبل کے تفسیری پہلوؤں کا سہارا لیتا۔ وہ ہر اعتراض کا جواب اتنی مہارت سے دیتا کہ سامنے والا لاجواب ہو جاتا۔ مگر جب وہ بحث ختم کرکے لیپ ٹاپ بند کرتا، تو اس کے اپنے ہی دیے ہوئے دلائل اس

کے ذہن کے بند کمرے میں گونجنے لگتے۔وہ سوچتا کہ اگر سچائی اتنی ہی واضح اور روزِروشن کی طرح عیاں ہے، تو پھر دنیا کے باقی اربوں انسان اسے دیکھ کیوں نہیں پاتے ؟اگر خدا کی محبت سب کے لیے عام ہے، تو پھر حق کا راستہ صرف چند لوگوں تک ہی کیوں محدود رہ گیا؟

موسمِ سرما کی ایک سرد رات، جب اسلام آباد پر گہری دھند چھائی ہوئی تھی،ڈینئیل اپنے کمرے کے ہیٹر کے سامنے بیٹھا بائبل کا ایک ورق پلٹ رہا تھا سینٹ پال کے خطوط کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کی نظریں ایک آیت پر ٹھہر گئیں جس میں ایمان کی پختگی کا ذکر تھا اس نے گہرا سانس لیا اور اپنی ڈائری نکالی وہ اکثر اپنے اندرونی خیالات کو ڈائری کے صفحات پر بکھیر دیا کرتا تھا اس نے قلم اٹھایا اور انگریزی میں لکھنا شروع کیا، ایمان وہ نہیں جو ہم صرف اتوار کے دن اسٹیج پر کھڑے ہو کر دوسروں کو سکھاتے ہیں ایمان تو وہ تڑپ ہے جو تنہائی میں انسان کو اپنے خالق کے قریب لے جائے۔۔۔اس نے لکھنا بند کر دیا اور قلم میز پر رکھ دیا

اس کی نظریں لاشعوری طور پر لیپ ٹاپ کی طرف اٹھ گئیں، جہاں انٹرنیٹ کا وہ مخصوص مذہبی فورم کھلا ہوا تھا جس پر وہ پچھلے کئی دنوں سے ایک نام کو بار بار دیکھ رہا تھا، مہام زاہد اس لڑکی کے سیدھے، سادھے اور بغیر کسی تعصب کے پوچھے گئے سوالات ڈینئیل کے منظم دلائل کے حصار

Clubb of Quality Content

میں ایک شگاف پیدا کر دیتے تھے ڈینئیل کو لگنے لگا تھا کہ اس کا مقابلہ کسی عام بحث کرنے والے سے نہیں، بلکہ ایک ایسی روح سے ہے جو خود سچائی کی پیاسی ہے اس نے ایک بار پھر مہام کا وہ تبصرہ پڑھا جو اس نے چند دن پہلے دیکھا تھا، کسی کتاب پر رائے بنانے سے پہلے اسے پڑھ لینا چاہیے۔۔۔ڈینئیل نے اپنے ہونٹ بھینچے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عیسائیت کے مضبوط قلعے میں رہنے والا ڈینئیل جوزف، ایک دن ایک مسلم لڑکی کے کہے گئے چند جملوں کی وجہ سے اپنی ہی زندگی کے سب سے بڑے فکری بحران کا شکار ہونے والا ہے

ڈینئیل جوزف کی زندگی باہر سے دیکھنے والوں کو تقریباً مکمل لگتی تھی اچھی جاب، اچھا خاندان، چرچ میں عزت، بہترین گفتگو کی صلاحیت، دوستوں کا بڑا حلقہ اور ایک روشن مستقبل۔۔۔کم از کم لوگ یہی سمجھتے تھے پھر کی دوپہر جب وہ اپنی نیند سے بیدار ہوا تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا رات بھر کی شفٹ کے بعد وہ صبح تقریباً چھ بجے گھر پہنچا تھا، جہاں ایک بین الاقوامی کمپنی کے کسٹمر سپورٹ ڈیپارٹمنٹ میں اس کا کام زیادہ تر رات کے اوقات میں ہی ہوتا تھا میز پر کافی کے خالی مگ، چند کتابیں، لیپ ٹاپ اور ہیڈ فونز بکھرے پڑے تھے جبکہ دیواروں پر فٹبال کلبوں اور مختلف راک بینڈز کے پوسٹر آویزاں تھے اس نے بوجھل پن سے موبائل اٹھایا تو زین کے کئی

میسجز موجود تھے، جن میں سب سے آخری پیغام تھا، شام سات بجے یونیورسٹی آجانا ، Alumni Get Together ہے۔ سب پرانے لوگ آرہے ہیں

ڈینئیل چند لمحے اسکرین کو دیکھتا رہا اسے یونیورسٹی چھوڑے تقریباً ایک سال ہو چکا تھا اور اب اس کی زندگی کلاسز، اسائنمنٹس اور امتحانات سے آگے نکل کر رات کی جاب، چرچ کی سرگرمیوں اور دوستوں کی محفلوں کے گرد گھومتی تھی مگر کبھی کبھار پرانی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے وہ ایسے پروگراموں میں چلا جاتا تھا شام کو جب وہ یونیورسٹی پہنچا تو وہی عمارتیں، راہداریاں اور سبزہ زار اس کے سامنے تھے، لیکن اب سب کچھ پہلے جیسا نہیں لگتا تھا شاید اس لیے کہ انسان بدل جاتا ہے تو جگہیں بھی بدلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں کچھ ہی دیر میں زین، فرح، ایان اور دوسرے پرانے دوست بھی آگئے، اور پھر ہنسی مذاق اور پرانی یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا

مجھے ابھی تک یاد ہے تم ہر بحث جیت جاتے تھے، ایان نے ہنستے ہوئے پرانی بات چھیڑی تو ڈینئیل نے مسکرا کر جواب دیا، کیونکہ تم لوگ تیاری کر کے نہیں آتے تھے اس پر فرح فوراً بول اٹھی، نہیں۔۔۔ کیونکہ تم دوسروں سے زیادہ بولتے تھے سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے پروگرام ختم ہونے کے بعد وہ سب اپنی پرانی روایت کے مطابق قریبی کیفے چلے گئے جہاں گھنٹوں بیٹھ کر دنیا

جہان کی باتیں کرنا ان کا معمول تھا ایان نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں، اگر کل دنیا ختم ہونے والی ہو تب بھی زین پارٹی پلان کرے گا سب دوبارہ ہنس پڑے تو زین نے شرارت سے مسکرا کر کہا، اور اگر دنیا ختم نہ ہوئی تب بھی دو پارٹیاں ہوں گی۔

ہنسی کے اس دور میں ڈینئیل بھی مسکرا رہا تھا، مگر آج وہ معمول سے زیادہ خاموش تھا۔ فرح نے اس کی خاموشی بھانپتے ہوئے پوچھا، "کیا ہوا؟" تو اس نے نظریں چرا کر کہا، "کچھ نہیں۔" زین نے فوراً لقمہ دیا، "دیکھا؟ پھر سے فلسفی موڈ۔" ڈینئیل نے "میں صرف تھکا ہوا ہوں" کہہ کر بات ختم کرنا چاہی، مگر حقیقت صرف تھکن نہیں تھی۔ رات کی جاب، دن کا شور، دوستوں کی محفلیں اور چرچ کی سرگرمیاں۔۔۔ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود اس کے اندر کہیں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔ اس رات گھر واپسی پر جب اس نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھا، تو شہر کی روشنیاں ایک ایک کر کے پیچھے چھوٹ رہی تھیں اور لوگ اپنی زندگیوں کی دوڑ میں مصروف تھے۔ اسے اچانک شدت سے احساس ہوا کہ اس کے اپنے دوست بھی اسے مکمل طور پر نہیں جانتے۔ وہ زین کے ساتھ گھنٹوں گزار سکتا تھا، فرح سے لمبی گفتگو کر سکتا تھا، چرچ میں سینکڑوں لوگوں سے مل سکتا تھا، لیکن پھر بھی اس کے اندر ایک حصہ ایسا تھا جس تک کوئی نہیں پہنچ پایا تھا۔

Clubb of Quality Content

گھر پہنچ کر جب اس نے بستر پر لیٹ کر موبائل اٹھایا اور سوشل میڈیا اسکرول کرنے لگا، تو اچانک ایک پوسٹ پر اس کی نظر ٹک گئی۔ وہ ترکی یا اندلس کی کسی قدیم، تاریخی عمارت کی تصویر تھی جس کے نیچے لکھا تھا، "انسان عمارتیں تعمیر کرنے سے پہلے اپنے نظریات تعمیر کرتا ہے۔"

پوسٹ کرنے والی کا نام تھا۔'Maham Zahid' ڈینئیل چند لمحے خاموش بیٹھا رہا اور پھر آہستہ سے خود سے بولا، "یہ لڑکی ہر جگہ کیوں نظر آجاتی ہے؟" تجسس کے تحت اس نے پروفائل کو دوبارہ کھولا تو سامنے ایک اور پوسٹ تھی، "اگر کوئی شخص صرف اپنے آباؤاجداد کے مذہب کو ہی سچ مانتا ہے تو پھر دنیا کا ہر مذہب اپنے ماننے والوں کے لیے سچ ہوگا۔ سوال یہ نہیں کہ ہم کس مذہب میں پیدا ہوئے، سوال یہ ہے کہ سچائی کہاں ہے"۔

ڈینئیل کی پیشانی پر ہلکی سی شکن ابھری۔ اس کے پاس اس سوال کے جواب میں کئی دلائل، بہت سے حوالے اور شاید ایک لمبی بحث کا پورا سامان موجود تھا، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ صرف ساکت نظروں سے اسکرین کو دیکھتا رہا، کیونکہ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے محسوس ہوا تھا کہ شاید زندگی صرف بحثیں جیتنے کا نام نہیں ہوتی۔ شاید کچھ سوال ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں جیتا نہیں جاتا۔۔۔ صرف سمجھا جاتا ہے۔

اگلے چند دن معمول کے مطابق گزر گئے۔ رات کو جاب، اتوار کو چرچ اور درمیان میں دوستوں کی محفلیں۔۔۔ ظاہری طور پر سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا، مگر ڈینئیل خود جانتا تھا کہ اس کے اندر کچھ بدل رہا ہے۔ کوئی بہت بڑی تبدیلی نہیں، بس صرف ایک عجیب سی بے چینی تھی، ایک ایسا سوال جس کا کوئی واضح نام نہیں تھا۔ اس رات دفتر میں ماحول نسبتاً پر سکون تھا اور زیادہ کالز نہیں آ رہی تھیں۔ ڈینئیل نے کافی کا گرم مگ اٹھایا اور کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر وقت گزارنے کے لیے سوشل میڈیا کھول لیا۔ چند منٹ اسکرولنگ کرنے کے بعد، اس کی نظر پھر ایک مانوس نام پر جا کر رک گئی۔ 'Maham Zahid' اس بار پوسٹ کسی تاریخی عمارت یا آرٹ کے بارے میں نہیں تھی، بلکہ ایک مختصر سا اقتباس تھا، "اگر سچائی واقعی سچائی ہے تو اسے سوالوں سے کبھی خوف نہیں ہونا چاہیے"۔

ڈینئیل نے اقتباس کو دو بار پڑھا، پھر تیسری بار پڑھا۔ وہ اس بات سے کسی حد تک اتفاق بھی کرتا تھا اور شاید نہیں بھی کرتا تھا۔ آخر کار، اپنے اندر کی کشمکش کے ہاتھوں مجبور ہو کر، اس نے پہلی مرتبہ اس کی پوسٹ پر تبصرہ کر ہی دیا، "ہر سوال ضروری نہیں کہ سچائی تک لے جائے۔ بعض اوقات سوال صرف انسان کو الجھا دیتے ہیں۔" تبصرہ پوسٹ کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے دفتری کام میں مصروف ہو گیا، اسے بالکل توقع نہیں تھی کہ وہاں سے کوئی جواب بھی آئے گا۔ لیکن

Clubb of Quality Content

تقریباً ایک گھنٹے بعد موبائل کی اسکرین پر نوٹیفکیشن چمکا، مہام کا جواب آ چکا تھا، "اور بعض اوقات سوال ہی انسان کو اندھی تقلید سے بچاتے ہیں"۔

ڈینئیل چند لمحے ساکت ہو کر اسکرین کو دیکھتا رہا۔ یہ پہلی بار تھا کہ ان دونوں کے درمیان براہِ راست کوئی گفتگو ہوئی تھی، اگرچہ صرف ایک تبصرے کی صورت میں۔ اس نے سوچ کر جواب لکھا، "اگر ہر چیز کو سوالوں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے تو پھر یقین کیسے پیدا ہو گا؟" اس بار جواب آنے میں کچھ وقت لگا، لیکن جب آیا تو ڈینئیل کو سوچنے پر مجبور کر گیا، "حقیقی یقین وہی ہوتا ہے جو سوالوں سے گزر کر پیدا ہو، سوالوں سے بچ کر نہیں۔" ڈینئیل خاموش ہو گیا۔ عام طور پر وہ ایسے موقعوں پر فوراً دلائل کے انبار لگا دیتا تھا، گھنٹوں بحث کر کے سامنے والے کو لاجواب کر سکتا تھا، مگر اس بار بات مختلف تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ لڑکی بحث نہیں کر رہی، وہ تو صرف ایک سوال اٹھا رہی ہے اور یہی چیز اسے اندر تک پریشان کر رہی تھی۔

صبح پانچ بجے شفٹ ختم ہوئی تو ڈینئیل دفتر سے باہر نکلا۔ سڑکیں تقریباً خالی تھیں اور آسمان پر فجر سے پہلے والی ہلکی سی سفیدی نمودار ہو رہی تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے اچانک اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے سے سلمان صاحب کی کہی ہوئی ایک پرانی بات ابھری، "اگر تم اپنے عقیدے کو

سچا سمجھتے ہو تو سوالوں سے کیوں ڈرتے ہو؟" اس وقت ڈینئیل نے ان کی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، مگر اب وہی جملہ سنسنی خیز طریقے سے اس کے کانوں میں دوبارہ گونج رہا تھا۔ گھر پہنچ کر وہ سیدھا بستر پر لیٹ گیا، لیکن نیند کی آغوش میں جانے سے پہلے اس نے آخری بار موبائل اٹھایا جہاں مہام کی پروفائل کھلی ہوئی تھی۔

اس نے پہلی بار اس کی پوسٹس کو گہری دلچسپی اور غور سے پڑھنا شروع کیا۔ وہاں قدیم مساجد اور کلیساؤں کی تصاویر تھیں، تاریخ کے اقتباسات، مختلف مذاہب کے حوالے اور فنِ تعمیر کے خوبصورت خاکے بکھرے پڑے تھے۔ ان سب میں ایک بات بالکل مشترک تھی — مہام اپنی تحریروں میں جواب نہیں دیتی تھی، وہ صرف سوال پیدا کرتی تھی۔ اور بستر پر لیٹے، چھت کو تکتے ہوئے ڈینئیل کو پہلی بار شدت سے محسوس ہوا کہ شاید اس کی زندگی میں مسئلہ جوابوں کی کمی نہیں بلکہ سوالوں کی کمی ہے۔

اگر ڈینئیل جوزف کی شخصیت شور، محفلوں اور لوگوں کے درمیان پروان چڑھی تھی، تو مہام زاہد خاموشیوں، کتابوں اور تنہائیوں کی لڑکی تھی۔ پہلی نظر میں شاید کسی کی توجہ اس کی طرف اس لیے جاتی کیونکہ وہ بے حد خوبصورت تھی، لیکن جو لوگ اسے قریب سے جانتے تھے، وہ بخوبی کہتے تھے کہ مہام کی اصل کشش اس کا چہرہ نہیں بلکہ اس کی آنکھیں تھیں۔ وہ گہری بھوری

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آنکھیں، جن میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی ان سلجھا سوال چھپا ہوا محسوس ہوتا تھا اور جو سامنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھیں۔ اس کے ہلکے بھورے رنگ کے لہراتے بال عموماً کندھوں سے کچھ نیچے تک آتے تھے، جنہیں وہ اکثر ایک سادہ سی پونی ٹیل میں باندھ لیتی۔ وہ اپنے لباس اور ظاہری شخصیت پر غیر ضروری توجہ دینے والوں میں سے ہرگز نہیں تھی، کیونکہ سادگی ہی اس کا اصل حسن اور پسند تھی۔

بلاشبہ وہ اپنے آل ویمن کالج کی مقبول ترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی۔ بہت سی لڑکیاں اسے نام سے جانتی تھیں اور جو نام سے واقف نہیں تھیں، وہ چہرے سے ضرور پہچانتی تھیں۔ مگر دلچسپ بات یہ تھی کہ مہام نے کبھی اس مقبولیت پر توجہ ہی نہیں دی۔ نہ اسے ہائی لائٹ ہونے میں کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی سب کی توجہ کا مرکز بننے کا شوق۔ بلکہ اگر اسے اختیار دیا جاتا تو وہ ہجوم سے دور، آخری قطار میں بیٹھ کر خاموشی سے اپنی کتاب پڑھنے کو ترجیح دیتی۔ اسے ہمیشہ سے منظر کے پیچھے رہنا پسند تھا؛ اسٹیج پر کھڑا ہونا یا اپنی طرف اٹھتی ہوئی لوگوں کی نظریں اسے اچھے نہیں لگتے تھے۔ وہ ہجوم کا حصہ تو بن سکتی تھی، مگر اس کا مرکز کبھی نہیں۔

اس کی زندگی کی سب سے بڑی محبت کتابیں تھیں، خاص طور پر تاریخ، قدیم تہذیبیں، مختلف مذاہب، فنِ تعمیر اور پرانی دنیا کی کھوئی ہوئی داستانیں۔ یہی وجہ تھی کہ راولپنڈی کا اندرونِ شہر

اسے کسی جادوئی دنیا کی طرح لگتا تھا۔ وہ اکثر وہاں کی پرانی گلیوں میں گھومتی رہتی، جہاں صدیوں پرانے دروازے، خستہ حال حویلیاں، لکڑی کے جھروکے، قدیم مساجد اور اینٹوں کی وہ دیواریں جن پر وقت اپنے ان مٹ نشان چھوڑ چکا تھا، اسے اپنی طرف متوجہ کرتے۔ کبھی کبھی اسے گمان ہوتا کہ ان پرانی عمارتوں میں رہنے والے لوگ تو چلے گئے ہیں، مگر ان کی کہانیاں اب بھی ان بوسیدہ دیواروں میں سانس لیتی ہیں۔

کالج سے فارغ ہونے کے بعد اس کا خواب تھا کہ وہ کسی بڑی یونیورسٹی جائے، جہاں وہ آرکیٹیکچر، تاریخ یا آثارِ قدیمہ میں سے کسی ایک شعبے کا انتخاب کرے۔ ابھی وہ خود بھی پوری طرح فیصلہ نہیں کر پائی تھی، مگر اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ علم کے اس سفر کو مزید آگے بڑھانا چاہتی ہے۔ لیکن گھر والوں کی رائے اس سے بالکل مختلف تھی۔ ان کے مطابق یونیورسٹیوں کا ماحول اچھا نہیں تھا، خاص طور پر مخلوط (Co-education) جامعات کا، اور یہی قدامت پسندانہ سوچ فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ "بی اے کالج سے بھی ہو سکتا ہے،" گھر کے ایک بڑے نے یہ جملہ ایک بار کہا اور مہام کا مستقبل طے پا گیا۔

مہام نے بحث نہیں کی، نہ کوئی ضد کی اور نہ ہی اپنی خواہشات کے حق میں کوئی لمبی چوڑی تقریر پیش کی۔ حالانکہ اس رات وہ دیر تک جاگتی رہی تھی اور اس کے دل میں بہت سے جملے، بہت سی باتیں آئی تھیں جو وہ کہنا چاہتی تھی، مگر ہمیشہ کی طرح اس نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی۔ چنانچہ اب وہ اسی آل ویمن کالج سے بی اے کر رہی تھی۔ وہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی، اساتذہ اسے پسند کرتے تھے اور وہ اکثر اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتی تھی۔ اس کا زیادہ تر فارغ وقت اب بھی کالج کی لائبریری میں گزرتا، جہاں وہ گھنٹوں کتابوں کے سحر میں گم رہتی۔

اس کی زندگی میں دوستوں کا کوئی ہجوم نہیں تھا۔ درحقیقت اس کی صرف ایک ہی قریبی دوست تھی؛ ملائکہ۔ وہ دونوں اسکول کے زمانے سے ساتھ تھیں۔ ایک ہی جماعت، ایک ہی کالج اور تقریباً ایک ہی زندگی کے سفر کی ساتھی۔ مگر مزاج کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ ملائکہ پُراعتماد تھی، اپنی بات کھل کر کہتی تھی اور اپنے حقوق کے لیے کھڑی ہونا جانتی تھی۔ جبکہ مہام وہ باتیں بھی اپنے دل میں ہی دفن کر لیتی تھی جو سب کے سامنے کہی جانی چاہئیں۔ "تمہیں بھی کبھی اپنے لیے بھی بولنا چاہیے مہام!" ملائکہ اکثر اسے ٹوکتی، تو مہام جواب میں صرف مسکرا دیتی۔ کیونکہ شاید وہ خود بھی اندر ہی اندر یہ سچ جانتی تھی کہ دنیا کے ہر

فلسفے اور موضوع پر سوال اٹھانے والی یہ لڑکی، اپنی زندگی کے فیصلوں پر سوال اٹھانے کی ہمت ابھی تک اپنے اندر پیدا نہیں کر سکی تھی۔

مہام کی زندگی ہمیشہ کی طرح اپنی مخصوص اور پُر سکون رفتار سے چل رہی تھی۔ صبح کالج جانا، دوپہر لائبریری کے سکوت میں گزارنا، شام کو گھر لوٹنا اور رات کے پچھلے پہر کتابوں کے سحر میں گم ہو جانا۔۔۔ بس یہی اس کی کل کائنات تھی۔ اس کی دنیا بظاہر زیادہ بڑی نہیں تھی، لیکن اس کے خیالات اور سوچوں کی دنیا بہت وسیع اور لامتناہی تھی۔ اس دن بھی وہ کالج کی لائبریری کے ایک دور افتادہ کونے میں بیٹھی ہوئی تھی، جہاں سامنے میز پر "تاریخِ اندلس" پر ایک ضخیم کتاب کھلی ہوئی تھی، مگر نجانے کیوں آج اس کی توجہ بار بار صفحوں پر لکھے الفاظ سے ہٹ رہی تھی۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو؟" ملائکہ نے سامنے پڑی خالی کرسی گھسیٹتے ہوئے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ مہام نے چونک کر اسے دیکھا اور سنبھل کر کہا، "کہیں نہیں۔" مگر ملائکہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی، وہ فوراً بولی، "جھوٹ! تم جب بھی کہتی ہو 'کہیں نہیں' یا 'کچھ نہیں' تب تم سب سے زیادہ کہیں ہوتی ہو۔" ملائکہ کی اس بات پر مہام کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ تیر گئی۔ اس نے کچھ لمحے توقف کیا اور پھر گویا ہوئی، "میں صرف سوچ رہی تھی کہ لوگ اپنے عقائد پر اتنے

پکے یقین کے ساتھ کیسے جیتے ہیں ؟اگر کوئی بچہ کسی اور مذہب یا ماحول میں پیدا ہوتا تو وہ بھی اسی پر پختہ یقین رکھتا نا؟" ملائکہ نے چند لمحے گہرا سانس لے کر اسے دیکھا، پھر پیار سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور بولی، "یا اللہ !اب کون سا نیا فلسفہ شروع ہو گیا؟اسی لیے میں تمہیں مذہب، فلسفے اور تاریخ کی اتنی گہری کتابیں پڑھنے سے منع کرتی ہوں۔" دونوں سہیلیوں کے درمیان ایک دھیمی سی ہنسی گونج اٹھی، مگر مہام جانتی تھی کہ یہ محض ایک وقتی سوال نہیں تھا؛ یہ ان سلجھے سوالوں میں سے ایک تھا جو پچھلے کئی سالوں سے خاموشی سے اس کے وجود کے اندر پل رہے تھے۔

اسی رات، اسلام آباد کی ایک جدید اور پُر سکون عمارت میں ڈینئیل اپنی نائٹ شفٹ پر موجود تھا۔ دفتر میں اس وقت غیر معمولی خاموشی کا راج تھا اور زیادہ تر کالز کا سلسلہ تھم چکا تھا۔ اس نے کافی کا مگ اٹھایا، تھکن دور کرنے کے لیے ایک گھونٹ بھرا اور کمپیوٹر اسکرین کے سامنے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ بے دھیانی میں انگلیوں نے سوشل میڈیا کا رخ کیا اور ہمیشہ کی طرح کچھ ہی دیر بعد سکرول کرتے ہوئے وہ ایک جانے پہچانے پروفائل پر پہنچ گیا، مہام زاہد۔ اس بار مہام نے ایک نئی تصویر پوسٹ کی تھی جو راولپنڈی کی کسی قدیم گلی کی تھی۔ شام کے دھندلکے میں ایک زرد

روشنی صدیوں پرانے لکڑی کے دروازے پر پڑ رہی تھی اور نیچے کیپشن میں لکھا تھا، "کبھی کبھی پرانی عمارتیں نئے انسانوں سے زیادہ سچی لگتی ہیں"۔

ڈینئیل اسے پڑھ کر بے اختیار مسکرا دیا۔ "یہ لڑکی واقعی عجیب ہے،"اس نے دل میں سوچا اور پہلی بار اس نے تجسس کے مارے مہام کے پروفائل کی باقی تصاویر کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ وہاں کوئی سیلفی نہیں تھی، کوئی شو آف یا غیر ضروری چیز نہیں تھی؛ بس کتابیں، عمارتیں، تاریخ اور سوالات بکھرے پڑے تھے۔ پھر اچانک سکرول کرتے ہوئے اس کی نظر مہام کی پروفائل پکچر پر گئی اور وہ چند لمحے کے لیے بالکل ساکت رہ گیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ اس نے مہام کو دیکھا تھا۔ گہری بھوری آنکھیں، سادہ سا لباس اور چہرے پر ایک ہلکی، پُروقار مسکراہٹ۔ بظاہر اس میں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا، مگر پھر بھی اس سادگی میں ایک عجیب سا جادو تھا——ایسی کشش جو صرف ظاہری خوبصورتی سے نہیں بلکہ ایک گہری شخصیت سے جھلکتی ہے۔

ڈینئیل نے جھٹکے سے پروفائل بند کیا اور اپنی اس کیفیت پر خود ہی ہنس پڑا۔ "تم پاگل ہو رہے ہو ڈینئیل،"اس نے خود کو ٹوکا۔ آخر وہ ایک بالکل اجنبی لڑکی تھی جسے وہ جانتا تک نہیں تھا، لیکن دل کے کسی کونے سے اٹھتی ہوئی یہ خواہش عجیب تھی کہ وہ اسے جاننا چاہتا تھا۔ دوسری طرف، راولپنڈی کے ایک خاموش کمرے میں بیٹھی مہام ان سب باتوں سے بے خبر ایک پرانی مسجد کی

تعمیراتی تاریخ پڑھنے میں مصروف تھی۔اسے دور دور تک اندازہ نہیں تھا کہ سینکڑوں کلومیٹر دور اسلام آباد کی روشن سڑکوں کے بیچ بیٹھا ایک شخص پہلی بار اس کے چہرے کے سحر میں گرفتار ہوا ہے،اور نہ ہی اسے یہ معلوم تھا کہ تقدیر ان دونوں کی زندگیوں کو بہت جلد ایک دوسرے کے قریب لانے والی ہے۔ مگر اس وقت، یہ صرف دو اجنبی لوگ تھے:ایک راولپنڈی کی پرانی گلیوں کی تاریخ میں کھویا ہوا اور دوسرا اسلام آباد کی چمکتی سڑکوں میں گھرا ہوا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ مطمئن دکھائی دیتے تھے، مگر دونوں کے اندر کہیں نہ کہیں ایک ایسا خلا موجود تھا، جس کا انہیں خود بھی پورا اندازہ نہیں تھا۔

کچھ دن انسان کی روزمرہ زندگی کی یکسانیت سے بالکل مختلف ہوتے ہیں،اور بعض اوقات انہی مختلف دنوں میں انسان خود کو سب سے زیادہ پہچانتا ہے۔اس ہفتے ڈینئیل نے بھی اپنے دفتر سے تین دن کی چھٹی لے رکھی تھی۔ زین کافی عرصے سے دوستوں کے ساتھ شمالی علاقوں کے ایک مختصر ٹرپ کا منصوبہ بنا رہا تھا اور آخر کار تمام دوست اس سفر کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ صبح سویرے دو گاڑیاں اسلام آباد سے روانہ ہوئیں، جن میں زین، فرح،ایان اور چند دوسرے دوستوں کے ساتھ ڈینئیل بھی موجود تھا۔ سفر کے دوران گاڑی میں مسلسل موسیقی چلتی رہی؛ کبھی قہقہے گونجتے، کبھی ایک دوسرے سے مذاق ہوتا تو کبھی پرانی یادوں کا دفتر کھل جاتا۔ڈینئیل

بھی سب کے ساتھ کھل کر ہنس رہا تھا، مگر ہمیشہ کی طرح اس کی ظاہری ہنسی اور اس کے دل کی اندرونی کیفیت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

رات گئے تک وہ سب ایک بے حد خوبصورت اور سحر انگیز وادی میں پہنچ چکے تھے۔ دور بلند پہاڑوں پر بادل آہستہ آہستہ اتر رہے تھے، یخ بستہ ہوا چل رہی تھی اور آسمان چمکتے ہوئے ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر ایک جگہ کیمپ فائر جلایا گیا اور سب دوست اس دہکتی آگ کے گرد دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ ماحول کے سحر میں آکر کسی نے گانا شروع کر دیا، کسی نے ماضی کے پرانے قصے چھیڑ دیے، تو کوئی زندگی کے بارے میں اپنا فلسفہ بگھارنے لگا۔ اسی دوران زین نے سلگتی ہوئی آگ میں لکڑی کا ایک ٹکڑا اڈالتے ہوئے سب کی طرف دیکھا اور پوچھا، "یار! اگر تمہیں زندگی میں کوئی ایک چیز مانگنے پر مل جائے، تو وہ کیا ہوگی؟" ایان نے بغیر پلک جھپکائے فوراً کہا، "پیسہ۔" جبکہ کسی اور نے دوسری طرف سے آواز لگائی، "مجھے تو شہرت چاہیے۔" زین نے مسکرا کر ڈینئیل کی طرف رخ کیا، "اور تم ڈینئیل؟" چند لمحے وہاں ایک گہری خاموشی چھا گئی، پھر ڈینئیل کے لبوں سے نہایت دھیمی آواز میں ایک ہی لفظ نکلا، "سکون"۔

اس کے اس غیر متوقع جواب پر سب یکدم خاموش ہو گئے۔"اتنا ڈرامائی جواب؟"فرح یہ کہہ کر بے اختیار ہنس پڑی، مگر ڈینئیل کے چہرے پر ہنسی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا، کیونکہ وہ مذاق نہیں کر رہا تھا بلکہ کافی عرصے سے وہ واقعی دل کا حقیقی سکون تلاش کر رہا تھا۔اس کی زندگی میں دوست تھے، رونقیں تھیں، ایک اچھی نوکری تھی، چرچ میں عزت تھی اور لوگوں کی بے پناہ تعریفیں بھی تھیں، مگر اندر کہیں ایک ایسی گہری بے چینی موجود تھی جو کسی چیز سے ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ شاید اسی لیے وہ کبھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ پاتا تھا؛ ایک ہی وقت میں اس کی کئی لڑکیوں سے بات چیت چل رہی ہوتی، کسی سے کافی پر ملاقات ہوتی، کسی سے لمبی چیٹس، تو کسی سے چند ہفتوں کا مسلسل رابطہ۔ مگر جیسے ہی کوئی تعلق سنجیدہ رخ اختیار کرنے لگتا، وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ جاتا۔اسے لگتا جیسے کوئی بھی رشتہ اس کے اندر کے اس خالی پن کو نہیں بھر سکتا، اور یہی وجہ تھی کہ اس نے کبھی کسی کو اپنے دل کے قریب آنے ہی نہیں دیا تھا۔اس کی زندگی میں کئی لڑکیاں آئیں مگر کوئی زیادہ دیر ٹھہر نہ سکی۔ وہ دانستہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، مگر اس کی بے نیازی اور لاپرواہی اکثر سامنے والے کو گہرا دکھ دے جاتی تھی۔

اسی رات جب سب دوست گہری نیند سو چکے تھے، صرف ڈینئیل کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکل آیا اور تنہا چلتے چلتے وادی کے ایک سنسان اور آخری کنارے تک

جا پہنچا۔ سامنے دور تک پھیلے ہوئے ہیبت ناک پہاڑ تھے، اوپر بے شمار چمکتے ستارے اور نیچے ایک ایسا مہیب سکوت تھا جو شہروں کے شور میں کبھی نہیں ملتا۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا، تو شاید چند لمحوں کے لیے اسے واقعی ایک عجیب سا سکون محسوس ہوا، مگر وہ صرف ایک عارضی لمحہ تھا۔ اگلی ہی گھڑی پھر وہی پرانا خالی پن اور بے چینی اس کے وجود کو گھیرنے لگی؛ یہ احساس کہ زندگی میں کچھ بہت بنیادی ہے جو غائب ہے۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور بے دھیانی میں سوشل میڈیا اسکرول کرنے لگا۔ چند ہی لمحوں بعد، ایک بار پھر اس کی نظر ایک شناسا نام پر جا کر ٹھہر گئی——مہام زاہد۔

اس بار مہام نے کسی پرانی مسجد کے ایک خوبصورت محراب کی تصویر پوسٹ کی تھی، جس کے نیچے صرف ایک ہی جملہ تحریر تھا، "بعض جگہیں انسان کو خاموش رہ کر سوچنا سکھاتی ہیں۔" ڈینئیل کافی دیر تک سحر زدہ سا اس جملے کو تکتا رہا۔ یہ کتنی عجیب بات تھی کہ وہ لڑکی، جسے وہ جانتا تک نہیں تھا، اس کی ہر پوسٹ اکثر انہی چیزوں کے گرد گھومتی تھی جن کی شدید کمی وہ خود اپنی زندگی میں محسوس کر رہا تھا۔ شور سے دوری، خاموشی، گہری سوچ اور شاید زندگی کا کوئی حقیقی مقصد۔ پہاڑوں کی ٹھنڈی، یخ ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی اور زندگی میں پہلی مرتبہ اسے یہ مبہم سا احساس ہوا کہ شاید وہ سکون کو غلط جگہوں پر تلاش کرتا رہا ہے۔ مگر ابھی یہ صرف

ایک لمحاتی خیال تھا؛ وہ اب بھی اپنے عقائد پر پختہ، اپنی زندگی کے انداز پر مطمئن اور اپنے دلائل پر مکمل اعتماد رکھتا تھا۔

شمالی علاقوں کے اس یادگار سفر سے واپس آنے کے بعد، ڈینئیل کی زندگی بظاہر دوبارہ اپنی پرانی اور روایتی رفتار پر لوٹ آئی تھی۔ وہی رات کی نوکری، دوستوں کی رونقوں سے سجتی محفلیں، ویک اینڈ کی ہنگامہ خیز پارٹیاں اور چرچ کی مختلف سرگرمیاں۔ ظاہر میں سب کچھ بالکل ویسا ہی تھا جیسا ہمیشہ سے ہوتا آیا تھا، مگر ڈینئیل خود اندر سے یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے وجود کے اندر کہیں کچھ خاموشی سے بدلنا شروع ہو گیا ہے۔ وہ تبدیلی ابھی کوئی بہت بڑی نہیں تھی، بس چند ان سلجھے سے سوالات تھے جو اب تک کبھی اس کے مطمئن ذہن میں سر اٹھانے کی جرات نہیں کر پائے تھے۔ ایک رات دفتر میں کام کا دباؤ معمول سے کچھ کم تھا اور صبح کے تقریباً تین بج رہے تھے۔ ہال میں موجود زیادہ تر لوگ اس وقت اپنی اپنی میزوں پر خاموش بیٹھے کمپیوٹر اسکرینز میں گم تھے۔ ڈینئیل نے گرم کافی کا مگ اٹھایا اور چہل قدمی کرتا ہوا ہال کی بڑی شیشے کی کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا، جہاں سے نیچے رات کے اس پہر بھی اسلام آباد کی روشن اور چمکتی ہوئی سڑکیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اچانک گہری سوچ میں ڈوب گیا کہ، "اگر میری زندگی اتنی ہی آئیڈیل اور اچھی ہے، تو میں اندر سے خوش کیوں نہیں ہوں؟" یہ سوال اگرچہ نیا نہیں تھا، لیکن آج پہلی بار اس نے اسے اتنی سنجیدگی سے سوچنے کی زحمت کی تھی۔ اس کے پاس وہ سب کچھ موجود تھا جو اس کی عمر کے کئی نوجوان پانے کی تمنا کرتے ہیں: ایک مستقل نوکری، اچھی خاصی آمدنی، دوستوں کا ایک وسیع حلقہ، متحرک سماجی زندگی اور چرچ کے حلقے میں ایک خاص عزت۔ مگر اس سب کے باوجود، ہر کامیابی اور ہر تفریح کے بعد ملنے والی خوشی محض چند دن ہی اس کے پاس ٹھہرتی اور پھر ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل کر ختم ہو جاتی، جیسے کوئی پیاسا شخص اپنی پیاس بجھانے کے لیے نمکین پانی پی رہا ہو، جو پیاس بجھانے کے بجائے اس کی طلب کو مزید بڑھا دیتا ہے۔ اسی دوران اس کے فون کی اسکرین روشن ہوئی اور فرح کا مختصر سا پیغام چمکا، "ویک اینڈ پلان؟" ڈینئیل اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیا کیونکہ فرح ان لوگوں میں سے تھی جو ہر وقت زندگی کو کسی نہ کسی تفریحی منصوبے میں مصروف رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

چند ہی منٹوں بعد تمام قریبی دوستوں کی ایک گروپ کال شروع ہو گئی۔ "یار! اس دفعہ اتوار کو کسی اچھے سے فارم ہاؤس چلتے ہیں،" زین نے کال پر اپنی تجویز پیش کی۔ "میں تو بالکل تیار ہوں،" فرح نے ہمیشہ کی طرح فوراً حامی بھری اور پھر پوچھا، "اور ڈینئیل، تمہارا کیا خیال

ہے ؟" ڈینئیل نے چند لمحے سوچ کر جواب دیا، "دیکھتا ہوں۔۔۔" اس کے اس مبہم جواب پر زرین بے اختیار ہنس پڑا اور بولا، "دیکھتا ہوں ؟ بھائی، یہ تم خود بول رہے ہو یا تمہارا کوئی ہم شکل بات کر رہا ہے ؟" زین کا ہنسنا بجا تھا کیونکہ ماضی میں ڈینئیل ایسے کسی بھی ہنگامے اور پروگرام کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ محفلیں، شور اور خود کو ہر وقت مصروف رکھنا اسے بے حد پسند تھا؛ شاید اس لیے کہ انسان جیسے ہی خاموشی کے دائرے میں قدم رکھتا ہے، وہ خود سے ملتا ہے، اور خود سے ملنا ہر انسان کے لیے ہمیشہ اتنا آسان اور خوشگوار نہیں ہوتا۔

اتوار کے روز چرچ میں بھی سب کچھ معمول کے مطابق نہایت پر سکون اور منظم تھا۔ ڈینئیل وہاں نوجوانوں کے ایک گروپ کے درمیان بیٹھا کسی مذہبی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا؛ وہ ہمیشہ کی طرح پورے اعتماد کے ساتھ ان کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا، پکے دلائل پیش کر رہا تھا اور لوگ بھی اس کی باتیں پوری توجہ اور احترام سے سن رہے تھے۔ مگر اسی دوران، ایک ننھے سے لمحے کے لیے اس کا ذہن وہاں سے بھٹک کر کہیں دور چلا گیا۔ اس کے دل کے کسی نہاں خانے سے اچانک ایک عجیب سا خیال ابھرا کہ، "اگر کوئی مسلمان، ہندو یا کسی دوسرے مذہب کا شخص بھی اتنے ہی پکے یقین اور مضبوط دلائل کے ساتھ اپنے عقیدے پر بات کر رہا ہو تو ؟" یہ سوچ آتے ہی اس نے ایک جھرجھری لی اور فوراً اس وسوسے کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اس کے

نزدیک اس کا جواب بالکل واضح اور حتمی تھا کہ، "کیونکہ میں حق پر ہوں!" مگر سب سے عجیب بات یہ تھی کہ اس یقین کے باوجود وہ سوال اس کے اندر مرنے کے بجائے زندہ رہا۔

رات کو جب وہ تھکا ہار کر گھر واپس آیا، تو حسبِ عادت بستر پر لیٹ کر اس نے سوشل میڈیا ایپ کھولی۔ چند عام سی پوسٹس سکرول کرنے کے بعد، ایک بار پھر اس کی انگلیوں کی حرکت اسی ایک شناسا نام پر جا کر تھم گئی مہام زاہد۔ اس بار مہام نے اپنے پروفائل پر کوئی تصویر شیئر نہیں کی تھی، بلکہ صرف ایک سادہ سا اقتباس لکھا ہوا تھا، "سچائی سے ڈرنے والا انسان کبھی سچائی تک نہیں پہنچ سکتا۔" ڈینئیل نے ساکت ہو کر چند لمحے اس گہرے جملے کو دیکھا، پھر اس کے لبوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی۔ "تم بہت سوال پوچھتی ہو،" اس نے موبائل اسکرین کو تکتے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں خود سے کہا، حالانکہ مہام نے اس سے کبھی زندگی میں براہِ راست کوئی سوال نہیں پوچھا تھا، لیکن اس کی لکھی ہوئی ہر بات ڈینئیل کو اپنے اندر ایک سوال کی طرح اترتی محسوس ہوتی تھی۔ شاید زندگی میں پہلی بار، ڈینئیل کے اپنے مضبوط وجود کے اندر بھی خاموشی سے سوال جنم لینا شروع ہو گئے تھے۔ وہ اب بھی اپنے عقیدے پر پہلے کی طرح پختہ تھا، اسے اپنے دلائل پر پورا یقین تھا اور اسے لگتا تھا کہ وہ علم کی بنیاد پر ہر بحث جیت سکتا ہے، مگر وہ اس سچ

سے ناواقف تھا کہ زندگی میں بعض اوقات سب سے بڑی تبدیلی جوابوں سے نہیں، بلکہ انہی چھوٹے چھوٹے سوالوں سے شروع ہوتی ہے۔

کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب انسان فوراً اور آسانی سے ڈھونڈ لیتا ہے، اور کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جو خود کوئی جواب ملنے سے پہلے ہی انسان کو اندر سے بدلنا شروع کر دیتے ہیں۔
ڈینئیل کے ساتھ بھی ان دنوں کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اسے ابھی تک اپنے عقیدے پر کوئی شک یا شبہ نہیں تھا، وہ اب بھی ہر اتوار پابندی سے چرچ جاتا تھا، اب بھی وہاں نوجوانوں کے حلقوں میں پورے جوش کے ساتھ گفتگو کرتا تھا اور اب بھی مذہبی مناظروں میں مخالفین کو لاجواب کر دینے والے مضبوط دلائل پر پوری گرفت رکھتا تھا۔ لیکن ان سب کے باوجود، اب کبھی کبھار خاموش اور تنہا لمحوں میں کچھ انجانے سے سوال اس کے ذہن کے بند دروازے پر آہستہ سے دستک دینے لگے تھے۔

ایک شام وہ دفتر جانے سے پہلے شہر کے ایک پُر سکون کیفے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے میز پر کافی کا گرم کپ رکھا تھا اور ہاتھ میں ایک کتاب کھلی ہوئی تھی، مگر نجانے کیوں اس کی توجہ کتاب کے الفاظ پر جم نہیں پا رہی تھی۔ اسی دوران اچانک اس کی نظر سامنے والی میز پر بیٹھے دو نوجوانوں

پر پڑی، ان میں سے ایک مسلمان تھا اور دوسرا شاید عیسائی۔ وہ دونوں نہایت سنجیدگی سے کسی مذہبی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ڈینئیل نے غیر ارادی طور پر چونک کر ان کی باتیں سننا شروع کر دیں۔ "اگر تم محض ایک مروجہ حق پر پیدا ہوئے ہو، تو اس میں تمہارا اپنا کیا کمال ہے ؟" مسلمان لڑکے نے سامنے والے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "اصل سوال تو یہ ہے کہ اگر بالفرض تم غلطی پر ہوتے، تو کیا تم سچ کی خاطر اپنے آباؤاجداد کا عقیدہ چھوڑنے کا حوصلہ رکھتے "؟

ڈینئیل نے بے اختیار چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ دوسری طرف سے عیسائی لڑکے نے فوراً روایتی جواب دیا، "میں حق پر ہوں، مجھے بدلنے کی ضرورت نہیں۔ "اس پر مسلمان لڑکے نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "یہی بات تو دنیا کا ہر مذہب والا اتنے ہی یقین سے کہتا ہے !" یہ سن کر کچھ لمحوں کے لیے ان کے درمیان ایک گہری خاموشی چھائی، اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہی سوال کچھ دن پہلے خود ڈینئیل کے اپنے ذہن میں بھی بجلی کی طرح کوندا تھا۔ اس نے فوراً اپنی نظریں ان کی میز سے ہٹائیں۔ "بیکار بحث ہے، "اس نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے خود کلامی کی، لیکن اس کا دل اندر سے مطمئن نہ ہو سکا۔

اس رات دفتر میں کام کا دباؤ معمول سے بہت کم تھا۔ وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا انٹرنیٹ پر مختلف مذہبی مباحث اور مناظرے دیکھنے لگا۔ یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی، وہ اکثر اپنی معلومات بڑھانے کے لیے ایسا کرتا رہتا تھا، لیکن اس بار اس کے دیکھنے کا انداز مختلف تھا۔ وہ صرف اپنی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے دلائل نہیں ڈھونڈ رہا تھا، بلکہ اس بار وہ سامنے والے کے موقف کو واقعی سن اور سمجھ رہا تھا، اور یہی اس کے اندر کا وہ پہلا بڑا فرق تھا۔ کئی گھنٹوں کی مسلسل تحقیق کے بعد جب اس نے لیپ ٹاپ بند کیا، تو باہر فجر کا دھندلکا پھیل رہا تھا۔ وہ تھکن سے چور ہو کر کرسی کی پشت پر سر ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اسے زندگی میں پہلی بار یہ شدت سے محسوس ہوا کہ وہ عمر بھر دوسروں کے سچے بنائے جواب دیتا آیا ہے، مگر خود کبھی اپنے آپ سے سوال کرنے سے ڈرتا رہا ہے۔

دوسری طرف راولپنڈی کے پُر سکون ماحول میں، مہام اس دن اندرونِ شہر کی ایک نہایت قدیم اور تاریخی حویلی دیکھنے گئی ہوئی تھی۔ پرانے لکڑی کے جالی دار دروازے، تنگ و تاریک گلیاں اور صدیوں پرانی بوسیدہ دیواریں۔۔۔ وہ ہمیشہ کی طرح انہی تاریخی چیزوں کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے موبائل سے اس حویلی کے ایک خوبصورت زاویے کی تصویر کھینچی اور پھر اپنی ڈائری کھول کر اس کے نیچے ایک جملہ تحریر کیا، "بعض عمارتیں طویل وقت گزرنے کے

Clubb of Quality Content

باوجود قائم رہتی ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے۔" یہ بظاہر ایک عام سا جملہ تھا، مگر عین اسی وقت، سینکڑوں کلومیٹر دور اسلام آباد میں بیٹھا ایک اور انسان اپنی زندگی اور نظریات کی بنیادوں کے بارے میں سوچنا شروع کر چکا تھا۔

ڈینئیل کو ابھی دور دور تک اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کے اندر پیدا ہونے والے یہ چھوٹے چھوٹے سوال جلد ہی اسے ایسی نئی کتابوں، ایسی گہری گفتگوؤں اور ایسے منفرد لوگوں تک لے جائیں گے جن سے وہ اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے ابھی معلوم نہیں تھا کہ علم کے اس کٹھن سفر میں ایک دن اس کا راستہ مہام کے راستے سے بھی ٹکرانے والا ہے۔ فی الحال، وہ صرف ایک ہی مبہم سے سوال کے ساتھ جی رہا تھا کہ "اگر سچائی میرے اب تک کے تصور سے بالکل مختلف ہوئی۔۔۔ تو؟" اور یہی وہ ایک سوال تھا، جو اس کے پختہ یقین کی دیوار میں پہلی حقیقی دراڑ بننے والا تھا۔

کبھی کبھی زندگی کے بڑے اور دوررس واقعات بہت معمولی چیزوں سے شروع ہوتے ہیں؛ کسی ایک سلام سے، کسی ایک معصوم سے سوال سے، یا پھر صرف ایک عام سے پیغام سے۔ اس شام بھی کچھ ایسا ہی ہوا، جب مہام حسبِ معمول کالج کی لائبریری کے ایک پُرسکون کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے میز پر مختلف مذاہب پر لکھی ہوئی ایک ضخیم کتاب کھلی تھی اور وہ کئی

دنوں سے ابتدائی عیسائیت کے بارے میں پڑھ رہی تھی۔ مختلف عقائد، ان کی پیچیدہ تاریخ اور ان کے ماننے والوں کے نظریات ہمیشہ سے اس کی گہری دلچسپی کا موضوع رہے تھے، مگر اس کی اس دلچسپی کا مقصد کسی بحث و تکرار کا حصہ بننا نہیں تھا؛ وہ تو بس دنیا کو، اور لوگوں کے عقائد کو ان کے اپنے زاویے سے سمجھنا چاہتی تھی۔ اسی مطالعے کے دوران اچانک اس کے ذہن کے نہاں خانے میں چند ہفتے پہلے سوشل میڈیا پر دیکھی ہوئی ایک تفصیلی پوسٹ ابھری، جو عیسائیت کے موضوع پر ہی لکھی گئی تھی۔ تحریر اتنی جاندار تھی کہ لکھنے والے کا نام اس کے حافظے میں نقش رہ گیا تھا۔ ڈینئیل۔ کچھ لمحوں تک وہ گہری سوچ میں ڈوبی رہی، پھر دل میں جاگتی ہلکی سی ہچکچاہٹ کو جھٹک کر اس نے ایک نہایت مختصر سا پیغام ٹائپ کر کے بھیج دیا۔ "Hi" ، میسج سینڈ کرنے کے بعد وہ خود ہی اپنے اس اقدام پر مسکرا دی، کیونکہ اجنبی لوگوں سے یوں گفتگو کا آغاز کرنا اس کی طبیعت اور عادت کا حصہ ہرگز نہیں تھا۔

دوسری طرف، اس واقعے کے کئی گھنٹے بعد، اسلام آباد کی خشک رات میں اپنی نائٹ شفٹ کے دوران ڈینئیل کے فون کی اسکرین ایک ہلکے سے نوٹیفکیشن کے ساتھ روشن ہوئی۔ اس نے کام کے دوران سرسری نظر اسکرین پر ڈالی اور اگلے ہی پل چند لمحوں کے لیے حیران رہ گیا۔ سامنے 'مہام زاہد' کا نام چمک رہا تھا۔ وہی نام، جسے وہ کئی مہینوں سے صرف سوشل میڈیا پوسٹس اور

کمنٹس میں دیکھتا آیا تھا اور جس سے وہ انجانے میں متاثر تھا۔ اس نے بنا کوئی وقت گنوائے فوراً چیٹ باکس کھولا جہاں صرف "Hi" لکھا تھا، جسے دیکھ کر ڈینئیل کے ہونٹوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ سج گئی۔ اس نے جوابی پیغام میں "Hello" لکھا، تو کچھ ہی لمحوں بعد اگلا سوال اس کی اسکرین پر نمودار ہوا، "کیا آپ عیسائیت کے بارے میں کافی جانتے ہیں؟" ڈینئیل اس معصومانہ تجسس پر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اگر کوئی ایسا موضوع تھا جس پر وہ پورے اعتماد کے ساتھ گھنٹوں بول سکتا تھا، تو وہ یہی تھا، چنانچہ اس نے جواب دیا، "جی، کافی حد تک۔ کیوں؟" جس پر مہام نے اپنی نیت واضح کرتے ہوئے لکھا، "مجھے مختلف مذاہب کے بارے میں جاننا پسند ہے۔ کچھ سوال تھے۔" ڈینئیل نے بھی فراخدلی سے کام لیتے ہوئے فوراً لکھا، "ضرور، پوچھیں"۔

مہام نے بنا دیر کیے اپنا پہلا اور سب سے بنیادی سوال داغ دیا، "عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کیوں مانتے ہیں؟" ڈینئیل نے کچھ دیر کو سوچا، اپنے الفاظ کو ترتیب دی اور پھر تفصیل سے جواب لکھنے لگا، "عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ صرف ایک نبی نہیں تھے بلکہ خدا کے بیٹے اور خدا کے مجسم ظہور تھے۔ ہم انجیلِ یوحنا کے ابتدائی الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں جہاں 'کلام' کو خدا کہا گیا ہے اور پھر بتایا گیا ہے کہ وہ کلام جسم اختیار کر کے دنیا میں آیا۔ اسی وجہ سے عیسائی حضرت عیسیٰ

کو صرف انسان نہیں بلکہ الہی ہستی سمجھتے ہیں۔" مہام دوسری طرف بیٹھی خاموشی اور غور سے اس کے جواب کو پڑھتی رہی، اور پھر کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے اپنا دوسرا الجھاؤ سامنے رکھا، "پھر تثلیث کیا ہے؟ کیا عیسائی تین خداؤں پر یقین رکھتے ہیں؟" ڈینئیل کے لیے یہ سوال قطعاً نیا نہیں تھا، وہ اکثر ایسے سوالات سے گزرتا رہتا تھا، اس لیے اس نے روانی سے ٹائپ کیا، "نہیں، عیسائیت تین خداؤں کی تعلیم نہیں دیتی۔ ہم ایک ہی خدا پر ایمان رکھتے ہیں جو تین اقانیم میں ظاہر ہوتا ہے؛ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ یہ تین الگ الگ خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا کی تین شخصیات ہیں جن کی الوہیت ایک ہے"۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مہام نے جواب پڑھا، چند لمحے خاموش رہی، مگر اس کا متجسس ذہن اگلا سوال تیار کر چکا تھا، "اگر حضرت عیسیٰ خدا تھے تو وہ دعا کس سے کرتے تھے؟" ڈینئیل چند لمحوں کے لیے رکا، پھر وہی پختہ جواب لکھا جو وہ اکثر بڑے مباحثوں میں دیا کرتا تھا، "عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ مکمل انسان بھی تھے اور مکمل خدا بھی۔ اپنی اسی انسانی فطرت کے تحت وہ باپ سے دعا کرتے تھے، اسی لیے انجیلوں میں ہمیں ان کی دعائیں نظر آتی ہیں۔" مہام نے اگلا سوال بھیجنے میں دیر نہیں کی، "اور نجات؟ عیسائیت میں نجات کیسے ملتی ہے؟" ڈینئیل کے لیے یہ سوال

ایک خاص نظریاتی اہمیت رکھتا تھا، اس لیے اس نے دلجمعی سے لکھا، "عیسائی عقیدے کے مطابق تمام انسان پیدائشی طور پر گناہگار ہیں اور صرف اپنے اعمال کے ذریعے مکمل نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ صلیب پر انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بنے۔ جو شخص ان پر ایمان لاتا ہے اور انہیں اپنا نجات دہندہ قبول کرتا ہے، اسے نجات ملتی ہے"۔

اس کے بعد رات کے اس پہر دونوں کے درمیان گفتگو کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا۔ عیسائیت کے مختلف فرقوں، بائبل کی مختلف کتابوں اور چرچ کی صدیوں پرانی تاریخ کے بارے میں مہام مسلسل سوال کرتی رہی اور ڈینئیل نہایت صبر اور تفصیل سے جواب دیتا رہا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ مہام کو ابھی تک اس بات کا گمان بھی نہیں تھا کہ جس شخص سے وہ اتنی سادگی سے معلومات لے رہی ہے، وہ چرچ میں نوجوانوں کا ایک معروف اور شعلہ بیاں مقرر ہے، جو اکثر بڑے بڑے مذہبی مباحثے سیکنڈوں میں جیت جاتا ہے اور جس کی سماجی زندگی کا دوسرا رخ کتنا مختلف اور چمکدار ہے۔ وہ تو اسے صرف ایک علم رکھنے والا عام سا انسان سمجھ کر بات کر رہی تھی۔ دوسری طرف، ڈینئیل بھی اس حقیقت سے بالکل بے خبر تھا کہ مہام کی اس دلچسپی کے پیچھے کوئی ذاتی تعلق بنانے کی خواہش نہیں، بلکہ یہ محض علم کی پیاس اور ایک خالص تجسس تھا۔

جب رات کافی بیت گئی اور گھڑی کی سوئیاں اگلے دن کا پتہ دینے لگیں، تو آخر کار مہام نے اپنا آخری پیغام بھیجا، "آپ کے جواب کافی دلچسپ تھے۔ شکریہ۔" جس کے جواب میں ڈینئیل نے لکھا۔ "You're welcome"، اور یوں چند لمحوں بعد وہ چیٹ ختم ہو گئی۔ ڈینئیل نے فون بند کیا، اسے میز پر رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے ذہن میں ایک عجیب سا احساس جاگ رہا تھا؛ وہ روزانہ درجنوں دوستوں، ساتھیوں اور لڑکیوں سے بات کرتا تھا، لیکن آج کی یہ گفتگو ان سب سے بالکل مختلف محسوس ہوئی تھی۔ شاید اس لیے کہ زندگی میں پہلی بار کوئی اس کے ظاہری لباس، اس کی پرکشش شخصیت یا اس کے سماجی رتبے میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا، بلکہ کوئی پہلی بار صرف اور صرف اس کے خیالات اور اس کے ذہن کو سن رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس پہلی تفصیلی گفتگو کے بعد کئی دن یوں ہی خاموشی سے گزر گئے۔ نہ مہام نے دوبارہ کوئی پیغام بھیجا اور نہ ہی ڈینئیل کی طرف سے کوئی پہل ہوئی، مگر دونوں کے لاشعور کے کسی گوشے میں ایک دوسرے کا تاثر اب بھی کہیں نہ کہیں گہرائی میں موجود تھا۔ مہام اپنی اسی پرسکون اور مخصوص روٹین میں مصروف ہو چکی تھی؛ وہی کالج کے روز و شب، کتابوں کی خوشبو، لائبریری کا سکون اور پھر اپنے گھر کی چار دیواری۔ دوسری طرف، ڈینئیل بھی اپنی تیز رفتار اور چمک دمک

سے بھرپور دنیا میں واپس لوٹ چکا تھا، جہاں سنجیدہ مذہبی سوالات کا دور دور تک کوئی گزر نہیں تھا۔

پھر ایک بارونق جمعہ کی رات آئی۔ دفتر سے چھٹی تھی، اس لیے زین نے ہمیشہ کی طرح ایک شاندار گیٹ ٹو گیدر کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اسلام آباد کے خوبصورت مضافات میں واقع ایک پر تعیش فارم ہاؤس میں تیز اور کان پڑتی آواز میں گونجتی موسیقی، ماحول کو سحر زدہ کرتی رنگ برنگی روشنیاں، بلند ہوتے قہقہے اور شہر کے امیر زادوں کا ہجوم محفل کو گرما رہا تھا۔ ڈینئیل جب وہاں پہنچا تو رونق اپنے عروج پر تھی؛ فرح ہمیشہ کی طرح اپنے مخصوص انداز میں پہلے سے موجود تھی اور زین سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کچھ لوگ مستی میں ڈانس فلور پر تھرک رہے تھے، تو کچھ سوئمنگ پول کے کنارے نیم تاریکی میں بیٹھے جام اور گفتگو کے مزے لے رہے تھے۔

ڈینئیل کو دیکھتے ہی زین نے ہنستے ہوئے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا، "آخر کار ڈینی صاحب تشریف لے آئے! تمہارے بغیر تو پارٹی بالکل ادھوری لگ رہی تھی۔" مگر ڈینئیل نے بس ایک پھیکی سی مسکراہٹ پر اکتفا کیا۔ وہ خود اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ ایسی پُر شور محفلوں کے لیے جو جنون اور دلچسپی اس کے اندر پہلے ہوا کرتی تھی، وہ اب کہیں غائب ہو چکی تھی؛ وہ وہاں جسمانی طور پر تو موجود تھا، لیکن اس کا دل وہاں نہیں تھا۔

چند گھنٹوں بعد، جب ہجوم کا شور اس کے اعصاب پر بوجھ بننے لگا، تو وہ اس شور ہال سے نکل کر فارم ہاؤس کی پُر سکون بالکونی میں آ کھڑا ہوا اور تنہارات کے گہرے، سیاہ آسمان کو تکنے لگا۔ نیچے ہال سے موسیقی کی تھاپ اب بھی مدہم سی گونج رہی تھی کہ اچانک اس کی جیب میں موجود فون پر نوٹیفکیشن کی ہلکی سی آواز ہوئی۔ اس نے اسکرین روشن کی تو سامنے ایک بار پھر وہی نام چمک رہا تھا۔ مہام زاہد۔ پیغام نہایت مختصر اور نپا تلا تھا، "ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟" جسے پڑھتے ہی ڈینئیل کے لبوں پر ایک بے اختیار اور گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے فوراً جواب ٹائپ کیا، "ضرور۔" اور چند ہی لمحوں بعد اس کی اسکرین پر اگلا سوال نمودار ہوا، "کیا عیسائیوں میں بھی مختلف فرقے ہوتے ہیں؟" ڈینئیل نے ایک پل کے لیے نیچے شور مچاتی، رنگوں میں ڈوبی محفل پر نظر ڈالی اور پھر اپنے ہاتھ میں موجود فون کی اسکرین کو دیکھا۔ یہ ایک عجیب اور جادوئی تضاد تھا: ایک طرف دنیا کا لاابالی شور تھا اور دوسری طرف ایک انتہائی سنجیدہ اور علمی سوال۔ اس نے گہرا سانس لیا اور جواب ٹائپ کرنے لگا، "جی، عیسائیت میں بھی مختلف فرقے ہیں، مثلاً کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈوکس۔ بنیادی عقائد کئی جگہ مشترک ہیں لیکن بعض مذہبی روایات اور تشریحات میں فرق پایا جاتا ہے"۔

مہام شاید اسکرین کے اس پار اس کے جواب کی منتظر ہی بیٹھی تھی، اس لیے اس نے فوراً اگلا سوال داغ دیا، "اور آپ کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟" جس پر ڈینئیل نے سادگی سے لکھا، "پروٹسٹنٹ۔" دوسری طرف سے ایک مختصر سا "اوہ اچھا" آیا اور پھر چند سیکنڈز کے توقف کے بعد ایک اور پیغام اس کی اسکرین پر چمکا، "ویسے آپ کو اتنی معلومات کیسے ہیں؟" یہ پڑھ کر ڈینئیل ہلکا سا مسکرایا اور لکھا، "چرچ کی سرگرمیوں میں کافی عرصے سے شامل ہوں۔ پڑھتا بھی ہوں اور گفتگو بھی کرتا ہوں۔" یہ جواب اگرچہ سچ تھا، لیکن یہ پوری حقیقت نہیں تھی۔ اس نے مہام کو یہ بالکل نہیں بتایا کہ وہ اسی چرچ میں نوجوانوں کا ایک مانا ہوا مقرر ہے، جو اپنے خطابات سے مجمع اکٹھا کر لیتا ہے، اور یہ کہ اس نے کئی بڑے بڑے مناظرے جیت رکھے ہیں۔ کچھ دیر مزید ایسی ہی رسمی گفتگو کے بعد وہ رات کا چیٹ سیشن بھی ختم ہو گیا، مگر اس رات پہلی بار ان دونوں نے اسکرین بند کرنے کے بعد ایک دوسرے کے بارے میں گہرائی سے سوچا تھا۔

مہام نے بستر پر لیٹتے ہوئے اپنے دل میں سوچا، "کم از کم اس شخص کے بات کرنے کا انداز بہت اچھا اور تمیز دار ہے۔" جبکہ دوسری طرف ڈینئیل بالکونی کی ریلنگ پر ہاتھ رکھے حیرت کے سمندر میں غرق تھا، "یہ لڑکی واقعی عجیب ہے۔ لوگ عام طور پر مجھ سے فلموں، گانوں، برانڈز یا روزمرہ کی لایعنی باتوں پر گفتگو کرتے ہیں، لیکن اسے مذاہب اور تاریخ میں اتنی دلچسپی کیوں

ہے ؟"وہ اس حقیقت سے بالکل بے خبر تھا کہ مہام کا یہ علمی تجسس ابھی ختم نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ تو محض ایک شروعات تھی، اور مہام بھی اس بات سے سراسر انجان تھی کہ جس شخص کو وہ مذہبی کتابوں کا انسائیکلوپیڈیا سمجھ کر سوال کر رہی ہے، اس کی اپنی حقیقی اور نجی زندگی ان مقدس کتابوں کی تعلیمات سے کتنی مختلف اور متضاد تھی۔ شاید اسی لیے، آنے والے دنوں میں جب وہ دونوں ایک دوسرے کے اصل روپ اور زندگیوں سے واقف ہوں گے، تو دونوں ہی شدید حیرت کی زد میں آنے والے تھے۔ کیونکہ کبھی کبھی انسان کے زبانی عقائد اور اس کے جینے کے انداز کے درمیان کا فاصلہ بہت زیادہ، بہت گہرا ہوتا ہے اور ڈینئیل کی رنگین زندگی میں بھی ایک ایسا ہی بڑا فاصلہ موجود تھا، جسے وہ خود بھی ابھی تک اپنی آنکھوں سے پوری طرح دیکھ نہیں پایا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا جب کالج کی لائبریری معمول کے مطابق گہری خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ مہام کھڑکی کے قریب والی میز پر بیٹھی، اپنے سامنے کھلی فنِ تعمیر پر ایک موٹی سی کتاب کے صفحات الٹ رہی تھی۔ آج اس کی دلچسپی کا مرکز خاص طور پر قدیم یورپی اور رومی طرزِ تعمیر تھا۔ وہ کتاب میں بنے اونچے محراب دار دروازوں، رنگین شیشوں والی کھڑکیوں، سنگِ مرمر کے

Clubb of Quality Content

ستونوں اور آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے بلند و بالا میناروں کی تصاویر کو ایک ایک کر کے انتہائی غور سے دیکھ رہی تھی، جن میں دنیا کے کئی مشہور چرچز کی دلکش جھلکیاں موجود تھیں۔

کافی دیر تک ایک تصویر پر نظریں جمائے رکھنے کے بعد، اس نے برابر بیٹھی اپنی دوست کو آواز دی، "ملائکہ، یہ دیکھو۔" ملائکہ نے اپنی کتاب سے سر اٹھایا اور اس کے پاس آکر پوچھا، "کیا؟" مہام نے کتاب کا رخ اس کی طرف گھماتے ہوئے اشتیاق سے کہا، "یہ دیکھو کتنی خوبصورت عمارت ہے!" ملائکہ نے تصویر دیکھی اور بے اختیار داد دیتے ہوئے بولی، "واقعی بہت خوبصورت ہے۔" مہام نے اپنے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے کہا، "مجھے پرانی عمارتیں ویسے ہی بہت پسند ہیں، لیکن چرچز کا آرکیٹیکچر کچھ الگ ہی سحر انگیز لگتا ہے۔" ملائکہ نے ایک گہرا سانس لیا اور کہنے لگی، "ہاں، لیکن مجھے تو اتنی سمجھ نہیں آتی ان چیزوں کی، تم ہی ہو جو ایسی چیزوں میں اتنی گہری دلچسپی رکھتی ہو۔" اس کی بات پر مہام کے لبوں پر بھی ایک دھیمی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

کچھ دیر بعد ملائکہ اپنی اگلی کلاس کے لیے اٹھ کر چلی گئی، تو اب اس سنسان میز پر صرف مہام تھی اور اس کے سامنے کھلی وہی کتاب۔ اس نے دوبارہ تصاویر دیکھنا شروع ہی کیا تھا کہ اچانک ایک اچھوتا خیال اس کے ذہن میں کوندا، "میں نے کبھی اندر سے چرچ دیکھا ہی نہیں۔۔۔" وہ چند

Clubb of Quality Content

لمحے بالکل خاموش بیٹھی رہی، اور پھر اس کے ذہن کے پردے پر ایک جانی پہچانی جگہ ابھری۔

صدر راولپنڈی!

نہ جانے کتنی بار وہ وہاں سے گزری تھی اور کتنی ہی مرتبہ اس نے سڑک کے کنارے واقع سینٹ پال چرچ کی پرانی سرخ اینٹوں والی تاریخی عمارت، اس کا اونچا مینار اور پرانے درخت دیکھے تھے، جن کے گرد ایک مخصوص پراسرار خاموشی دور سے بھی محسوس ہوتی تھی۔ ہر بار گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس کے دل میں بس ایک ہی خواہش مچلتی تھی کہ "کاش کبھی اسے اندر سے بھی دیکھ سکوں۔۔۔" مگر یہ خواہش ہمیشہ دل کے کسی کونے میں دب کر رہ جاتی۔ آخر وہ جا بھی کیسے سکتی تھی؟ اکیلے جانا عجیب لگتا تھا اور گھر والوں سے اس موضوع پر بات کرنا بھی آسان نہیں تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور کتاب بند کر دی کیونکہ اب اس کی کلاس کا وقت ہو چلا تھا۔

لیکن وہ خیال پورا دن کسی سائے کی طرح اس کے ذہن سے چمٹا رہا۔ کلاس کے دوران بھی، گھر واپسی کے راستے میں بھی، اور یہاں تک کہ شام کو گھر پہنچنے کے بعد بھی۔ اپنا بیگ ایک طرف رکھ کر وہ کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی جہاں باہر سورج آہستہ آہستہ افق میں غروب ہو رہا تھا، اور وہی صدر والے چرچ کو اندر سے دیکھنے کی خواہش دوبارہ سر اٹھانے لگی۔ تبھی اچانک اسے ڈینئیل کا

خیال آیا جس نے خود ہی ایک بار بتایا تھا کہ وہ چرچ کی سرگرمیوں میں کافی عرصے سے شامل رہا ہے، اس لیے یہ سب اس کے لیے کوئی غیر معمولی بات نہیں ہو گی۔ مہام چند لمحے شش و پنج میں مبتلا رہی، پھر خود ہی اپنے اس ابلتے ہوئے خیال پر مسکرا دی، "میں بھی عجیب ہوں۔۔۔ ایسے کیسے پوچھ لوں"؟

مگر تجسس اور خواہش کی شدت کے آگے اس کی ہچکچاہٹ دم توڑ گئی اور چند ہی لمحوں بعد اس نے موبائل اٹھا کر ڈینئیل کی چیٹ کھول لی۔ کافی دیر تک اسکرین کو تکنے کے بعد، اس نے بالآخر ٹائپ کیا، "ایک عجیب سا سوال پوچھوں؟" پیغام بھیجنے کے بعد وہ دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ انتظار کرنے لگی، اور تقریباً دس منٹ کے طویل انتظار کے بعد اسکرین پر جواب چمکا، "پوچھیں"۔

Clubb of Quality Content

مہام نے ایک گہرا سانس لیا اور لکھنا شروع کیا، "مجھے پرانی عمارتیں اور آرکیٹیکچر بہت پسند ہے، خاص طور پر چرچز کا۔ میں کافی عرصے سے صدر راولپنڈی والے سینٹ پال چرچ کو اندر سے دیکھنا چاہتی ہوں، لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہاں جا کیسے سکتی ہوں۔ مطلب۔۔۔ کیا عام لوگ بھی اندر جا سکتے ہیں؟" جیسے ہی پیغام گیا، اسے لگا کہ شاید اس کا سوال کچھ زیادہ ہی عجیب تھا،

چنانچہ اس نے فوراً وضاحت میں داغ دیا، "میرا مطلب مذہبی وجہ سے نہیں۔۔۔ صرف آرکیٹیکچر دیکھنے کے لیے"۔

دوسری طرف، اسلام آباد میں اپنی نائٹ شفٹ کے دوران ڈینئیل نے جیسے ہی پہلا اور پھر دوسرا پیغام پڑھا، تو اس کے چہرے پر ایک بے اختیار اور دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔ عام طور پر لوگ اس سے صرف عقائد اور مذہب پر سوال کرتے تھے، لیکن یہ پہلی بار تھا کہ کسی نے اتنی معصومیت سے چرچ کی عمارت اور اس کے فنِ تعمیر کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس نے چند لمحے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے اسکرین کو دیکھا، اور پھر اپنے فون کے کی پیڈ پر جواب ٹائپ کرنے لگا، جبکہ وہ خود بھی اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ یہ چھوٹا سا مکالمہ آگے چل کر کیا رخ اختیار کرنے والا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ڈینئیل نے مہام کا پیغام ایک بار پڑھا، پھر دوسری بار اور پھر گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے تیسری بار پڑھا۔ عام طور پر زیادہ تر لوگ اس سے صرف عقائد پر سوال کرتے تھے، کسی مذہبی بحث میں الجھتے تھے یا پھر محض رسمی گفتگو کر کے آگے بڑھ جاتے تھے، لیکن مہام ان سب سے بالکل مختلف تھی۔ اس کی دلچسپی کسی سے دلیل جیتنے یا اپنی بات منوانے میں نہیں تھی، وہ تو واقعی کچھ

جاننا چاہتی تھی، دیکھنا چاہتی تھی اور اپنی آنکھوں سے سمجھنا چاہتی تھی، اور یہی معصومانہ تجسس ڈینئیل کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ کچھ لمحوں تک وہ ساکت نظروں سے اسکرین کو دیکھتا رہا، پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک اچھوتا خیال چمکا، "اگر یہ لڑکی پہلے ہی اتنی دلچسپی لے رہی ہے۔۔۔ تو شاید اسے عیسائیت کے قریب لانا مشکل نہیں ہو گا نا"۔

یہ سوچ اس کے لیے بالکل نئی نہیں تھی، ماضی میں بھی وہ کئی لوگوں کے ساتھ طویل مذہبی گفتگو کر چکا تھا جہاں کچھ لوگ صرف سوال پوچھنے کی غرض سے آئے تھے لیکن بعد میں اس کی باتوں سے متاثر ہو کر عیسائیت میں گہری دلچسپی لینے لگے تھے۔ اپنی گفتگو کے منفرد انداز، وسیع مطالعے اور مذہبی معلومات کی وجہ سے وہ اکثر لوگوں کے دل و دماغ پر اثر چھوڑ جایا کرتا تھا، اور یہ صلاحیت اسے کوئی اچانک نہیں ملی تھی بلکہ اس کے پیچھے ایک لمبا اور گہرا اثر تھا۔ اس کے والد، جوزف کا اثر۔ ڈینئیل جب بھی اپنے والد کے بارے میں سوچتا تو اس کے دل میں احترام کا ایک عجیب و غریب احساس ابھر آتا۔ بچپن ہی سے اس نے جوزف کو چرچ میں، گھروں میں اور بڑے اجتماعات میں لوگوں سے بات کرتے دیکھا تھا؛ لوگ ان کی بات پوری توجہ سے سنتے تھے، متاثر ہوتے تھے اور اپنے شکوک و شبہات کے حل کے لیے ان سے سوال پوچھتے تھے۔ ڈینئیل کے لیے اس کا والد ہمیشہ ایک مثالی شخصیت رہا تھا، اسی لیے بچپن میں جب بھی کوئی اس سے پوچھتا

کہ بڑے ہو کر کیا بنو گے، تو وہ فخر سے کہتا، "اپنے والد جیسا۔" اگرچہ وقت کے ساتھ زندگی نے اسے بہت مختلف اور کٹھن راستوں پر ڈال دیا تھا، اس کی اپنی زندگی میں بہت سی کمزوریاں اور غلطیاں بھی آگئی تھیں، لیکن اپنے والد کے لیے اس کے دل میں موجود احترام کا جذبہ کبھی کم نہیں ہوا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ جب بھی مذہب کی بات آتی، وہ اسے ہمیشہ سنجیدگی سے لیتا تھا۔

کچھ لمحوں کی اسی سوچ بچار کے بعد اس نے اپنے فون پر مہام کو جواب لکھا، "ویسے تو عام لوگ بھی چرچ دیکھ سکتے ہیں۔" پھر انگلیوں کو چند سیکنڈ کے لیے روکا اور اگلا جملہ ٹائپ کیا، "لیکن اگر تم چاہو تو میں خود تمہیں لے جا سکتا ہوں۔" مہام نے جیسے ہی وہ پیغام پڑھا، وہ چند لمحوں کے لیے بالکل حیران رہ گئی اور بے اختیار پوچھا، "آپ؟" ڈینئیل نے فوراً جواب دیا، "ہاں، ویسے بھی مجھے وہاں ایک کام ہے، پادری صاحب سے ملنا ہے۔ تو اگر تم واقعی اسے دیکھنا چاہتی ہو تو میں اندر سے سب دکھا دوں گا۔" مہام نے اسکرین کو دیکھا تو دل میں ایک ہلکی سی جھجک نے سر اٹھایا، لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ تو صرف ایک تاریخی عمارت ہی دیکھنے جا رہی ہے، اور ڈینئیل کے ساتھ اس کی کئی ہفتوں سے گفتگو بھی ہو رہی تھی، اس لیے کوئی ڈرنے کی بات نہیں تھی۔ آخر کار اس نے مختصر سا جواب دیا، "ٹھیک ہے۔" اور یوں دونوں کی رضامندی سے اگلے ہفتے کا دن طے پا گیا۔

وہ سردیوں کی ایک سحر انگیز اور روشن صبح تھی جب صدر راولپنڈی کی سڑکوں پر معمول کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ پرانی تاریخی عمارتیں، مصروف بازار، سڑکوں پر چلتے لوگ اور دور کہیں سے آتی گاڑیوں کے ہارن کی آوازیں فضا میں ایک عجیب سا ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔ مہام مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی۔ اس نے زرد رنگ کی ایک سادہ سی کمفرٹیبل ہڈی اور ساتھ سیاہ کارگو جینز پہن رکھی تھی، جب کہ اس کے ہلکے بھورے، لہراتے ہوئے بال ایک اوپر پونی ٹیل میں سلیقے سے بندھے ہوئے تھے۔ حسبِ معمول اس نے اپنی ظاہری خوبصورتی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، مگر اس کے باوجود جہاں وہ کھڑی تھی، وہاں سے گزرنے والے کئی لوگ مڑ کر ایک نظر ضرور اس کی طرف دیکھتے تھے، کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں چاہ کر بھی نظرانداز کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کی بڑی بھوری آنکھوں میں ایک غیر معمولی کشش تھی، جن میں معصومیت بھی جھلکتی تھی اور ایک خاموش تجسس بھی۔ وہ بار بار اشتیاق سے چرچ کی پُر شکوہ عمارت کی طرف دیکھ رہی تھی کہ تبھی کسی نے قریب آ کر دھیمی آواز میں پکارا، "مہام"؟

اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا اور پہلی بار ڈینئیل کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ چند لمحوں کے لیے وہ بالکل خاموش رہ گئی کیونکہ تصاویر میں دیکھا ہوا شخص اور حقیقت میں سامنے موجود شخص ایک دوسرے سے بالکل مختلف محسوس ہو رہے تھے۔ ڈینئیل ایک پر وقار اور قد آور نوجوان تھا، اس کی رنگت ہلکی سانولی مگر بے حد پر کشش تھی اور اس کی گہری بھوری آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح ایک سنجیدہ سوچ کا پہرا تھا۔ اس کے گھنے، قدرے گھنگریالے بال صبح کی سرد ہوا کے جھونکوں سے ہلکے ہلکے ہل رہے تھے اور چہرے پر تراشی گئی صاف ستھری اطالوی طرز کی داڑھی اس کے نقوش کو مزید نمایاں کر رہی تھی۔ اس نے گرے رنگ کا ٹرٹل نیک سویٹر اور اس کے اوپر سیاہ لمبا کوٹ اور سیاہ ڈریس پینٹ پہن رکھی تھی، وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کی موجودگی کسی بھی محفل میں فوراً محسوس ہو جاتی ہے، مگر اس کی شخصیت میں کسی قسم کے دکھاوے کے بجائے ایک عجیب سی خاموش خود اعتمادی جھلک رہی تھی۔

"السلام علیکم۔" مہام نے اپنی ہلکی سی جھجک پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ڈینئیل کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ ابھری اور اس نے جواب دیا، "وعلیکم السلام۔" یہ پہلا موقع تھا جب وہ دونوں زندگی میں ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے کھڑے تھے، جہاں نہ فون کی کوئی اسکرین درمیان میں تھی اور نہ پیغامات کے حاشیے، بس دو لوگ تھے جو دو بالکل مختلف دنیاؤں سے تعلق

رکھتے تھے، اور ان کے سامنے کھڑا تھا صدر راولپنڈی کا وہ پرانا، تاریخی چرچ جسے مہام برسوں سے صرف باہر کی سڑک سے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی آئی تھی۔

" چلیں ؟" ڈینئیل نے انتہائی شائستگی سے چرچ کے مرکزی راستے کی طرف اشارہ کیا۔ مہام نے ایک بار پھر اس پرانی سرخ اینٹوں والی عمارت کو دیکھا، دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا، اور وہ دونوں چرچ کے بڑے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ اس وقت مہام کے دل میں صرف اور صرف عمارت کو دیکھنے کا والہانہ تجسس تھا، جبکہ ڈینئیل کے ذہن میں ایک بالکل الگ اور گہرا خیال کروٹیں لے رہا تھا۔

شاید یہ ملاقات صرف ایک عمارت دیکھنے تک محدود نہیں رہے گی۔۔۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842